یا اللہ مدد — شانِ رسالت زندہ باد — عقیدۂ حیات النبی ﷺ زندہ باد — اصل کلمۂ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — مقامِ صحابہؓ زندہ باد — مقامِ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ زندہ باد — حق چار یارؓ

اکابرین دیوبند بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

# مجلہ صفدر

سرپرست: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہ

بانی: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ

136/135

مئی، جون 2022ء — شوال / ذوالقعدہ ۱۴۴۳ھ

حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ اتنا فرما دیتے.... تو بات پھر بھی واضح تھی کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں زندگی گزارے گا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ ''ایمان والوں کے راستے'' کا یہ جملہ جو اللہ نے آیت میں فرمایا: ویتبع غیر سبیل المؤمنین اس کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ نے یہ کیوں فرمایا؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس لیے کہ اُمت کو کیا معلوم کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کر رہا ہوں یا مخالفت کر رہا ہوں؟ اس لیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے تو صحابہ کرامؓ ہیں،..... تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتا دیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم کرنا ہو کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں چل رہے ہیں یا مخالفت کر رہے ہیں تو بس صحابہ کرام کو دیکھ لو! صحابہ کرام جو کر رہے ہیں اس طرح کرو، یہ موافقت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور صحابہ کرامؓ جو نہیں کر رہے ایسا مت کرو کیونکہ یہ مخالفتِ رسول ہے۔ [صحابہ کرام کا راستہ ہی جنت کا راستہ ہے: ۱۹]

مظہریہ دار المطالعہ جہلم
0312 4612774 0334-4612774
hamza.ehsani44@gmail.com

انجم نیازی

# سیّدنا امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اَمن کا بے داغ سورج بن کے اُبھرا کون ہے
بنجر و بے آب میدانوں پہ برسا کون ہے

اِک طرف حضرت علیؓ ہیں، اِک طرف حضرت حسینؓ
دو پہاڑوں میں خنک پانی کا جھرنا کون ہے

راستے یوں تو بہت جاتے ہیں کعبہ کی طرف
تیرے جیسا ان میں لیکن صاف سیدھا کون ہے

کون آتا ہے پیامِ اَمن لے کر اِس طرح
بستیوں کو زلزلوں سے یوں بچاتا کون ہے

اُمت مسلم پہ ہیں اِحسان کتنوں کے مگر
دیکھنا یہ ہے کہ اُن میں سب سے پہلا کون ہے

اِس طرح ٹھکرا کے لوٹا کون تخت و تاج کو
اِس طرح اِن مَرحلوں سے بچ کے نکلا کون ہے

ایک دھبہ بھی نہیں ہے تیرے جسم و جان پر
اِس قدر پاکیزہ صورت اور اُجلا کون ہے

یا اللہ مدد | عقیدۂ حیات النبی ﷺ زندہ باد | شانِ رسالت ﷺ زندہ باد

اصلی کلمۂ اسلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

مقامِ صحابہؓ زندہ باد | مقامِ امام اعظم ابوحنیفہؒ زندہ باد | حق چار یارؓ

**بیاد**

محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل سنت تلمیذ حضرت مدنی شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہ

تلمیذ رشید خلیفہ مجاز

امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نوراللہ مرقدہ

اکابر اہل سنت (دیوبند) بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

# مجلّہ صفدر

**بفیضان**

مظہر شریعت و طریقت قائدِ اہل سنت وکیل صحابہؓ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ

تلمیذ رشید خلیفہ مجاز

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ

**بیاد**

مفسرِ قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نوراللہ مرقدہ

فقیہ العصر ترجمانِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نوراللہ مرقدہ

فخرِ اہلِ سنت وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی نوراللہ مرقدہ

حکیم العصر شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نوراللہ مرقدہ

امینِ ملت مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نوراللہ مرقدہ

پاسبانِ مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نوراللہ مرقدہ

ترجمانِ مسلکِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی نوراللہ مرقدہ

وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نوراللہ مرقدہ

جانشینِ شہیدِ اسلام محقق العصر سعید احمد جلالپوری شہید نوراللہ مرقدہ

**بدعا** وکیلِ صحابہ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نوراللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نوراللہ مرقدہ

سرپرست
پیرِ طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا
حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

نگران
وکیلِ احناف مناظرِ اسلام حضرت مولانا
مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب مدظلہ

مدیرِ اعلیٰ
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی
0301-7790908

مدیرِ مسئول
مولانا احسن خدامی
0320-4902150

مدیر
حمزہ احسانی
0307-5687800

فی شمارہ 70 — زرِ سالانہ 400

برائے رابطہ: مکان نمبر 4 گلی 82 محمود سٹریٹ محلہ سردار پورہ، اچھرہ لاہور

# فہرست



**مجلّہ صفدر کے اجراء کا طریقہ** [۱]-اپنا نام، مکمل ڈاک پتہ، موبائل نمبر اردو میں لکھ کر ارسال فرمائیں۔

[۲]-کس سن اور ماہ سے رسالہ جاری کرنا ہے، اس کی وضاحت فرمائیں۔

[۳]-سالانہ زرتعاون مبلغ چارصد پچاس (۴۵۰) روپے ارسال فرمائیں۔

**سرفراز الحسن خان حمزہ: جاز کیش: 0307-5687800**

**سرفراز الحسن خان حمزہ......میزان بینک، اچھرہ برانچ، لاھور**

**acount n: 0104566580......branch cod: 0285**

# عمار خان ناصر غامدی....اور....قادیانیت

چند روز قبل (۱۷/مارچ ۲۰۲۲ء کو) سوشل میڈیا پر درج ذیل تحریر نظر سے گزری:

’’ضروری اطلاع: عوام الناس کو ایک ضروری اطلاع دی جاتی ہے جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث علامہ زاہد الراشدی صاحب کے بیٹے عمار خان ناصر اپنے قادیانی عقائد کی وجہ سے قادیانی کافر ہو چکے ہیں۔ لہٰذا عمار خان ناصر سے دینی اور دنیاوی تعلقات ختم کر دیں۔ آخرت میں کامیابی اور نبی پاک صلی (اللہ علیہ) وسلم کی شفاعت حاصل کریں۔ منجانب: محمد جاوید اقبال عفی عنہ‘‘

اِس تحریر کی اشاعت کے ایک دو روز بعد قاری محمد عثمان رمضان نامی کسی صاحب کی طرف سے ایک وضاحتی تحریر نشر کی گئی، جس کا عنوان تھا:

’’مولانا پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد عمار خان ناصر مولانا زاہد الراشدی کا بیٹا ہونے کے ساتھ ساتھ فکری و عملی جدوجہد میں معاون اور دست و بازو بھی ہیں اور انہیں ان پر مکمل اعتماد ہے۔‘‘

عم مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب اور جناب عمار خان کی تحریرات بھی قاری عثمان صاحب کی اِس بات کی تائید کرتی ہیں کہ عمار خان صاحب مولانا زاہد الراشدی کے فکری و عملی معاون بلکہ اَب جانشین بھی مقرر ہو چکے ہیں۔ اور مولانا راشدی کو اُن پر بھرپور اعتماد بھی ہے۔ نیز عثمان صاحب کی تحریر میں یہ بھی ہے کہ:

’’اِس سلسلے میں مولانا زاہد الراشدی سے رابطہ کیا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ: یہ (قادیانیت کا الزام [ناقل]) نئی بات نہیں ہے۔ اِس سے قبل اس قسم کی مختلف باتیں سامنے آتی رہی ہیں جو فضا میں گردش کر کے گم ہو جاتی ہیں۔‘‘

مولانا زاہد الراشدی صاحب نے حسبِ سابق اِس موقع پر بھی عمار خان ناصر کے موقف کو نظر انداز کرتے ہوئے بات کا رُخ بدل دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عمار خان ناصر کا ’قادیانی مذہب قبول کرنا ہمارے علم میں نہیں، لہٰذا بلا ثبوت اُس پر قادیانی ہونے کا الزام لگانے کو ہم درست نہیں سمجھتے، لیکن اِس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ عمار خان قادیانیت کے حوالے سے امتِ مسلمہ کے موقف سے متفق ہیں۔ مولانا زاہد الراشدی بھی اِس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں، لیکن اِس کے باوجود عمار خان صاحب کے حوالے سے وہ ہمیشہ حقائق کو پس پشت ڈال کر بات کا رُخ بدلنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ اِسے ’’دیانت و انصاف کی اعلیٰ مثال‘‘ کے علاوہ کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ چند سال قبل جب عمار خان ناصر کے اپنے بیان کردہ موقف کی روشنی میں اُن کو

’’قادیانیت نواز‘‘ قرار دیا گیا تو اُس وقت بھی مولانا زاہد الراشدی صاحب کا انداز و اُسلوب موجودہ طرزِ عمل سے مختلف نہیں تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مجلّہ صفدر شمارہ: ۴۴/اکتوبر ۲۰۱۴ء) مولانا موصوف کے بعض انٹرویو دیکھنے کا اتفاق ہوا، اُن میں بھی جب اُن کے فرزدلبند عمار خان ناصر کے متعلق سوال کیا گیا تو اُنہوں نے عمار خان کے موقف پر اپنی رائے دینے کے بجائے بات کا رُخ بدل دیا۔ قادیانیوں کو مسلمان سمجھنے کا سنگین معاملہ ہو یا قادیانیوں کے بائیکاٹ کا مسئلہ، حیات عیسیٰ کی بات ہو یا ناموس رسالت کے قانون کی بحث یا غامدی افکار قبول کرنے کا سوال' ہر موقع پر مولانا زاہد الراشدی صاحب کے پیمانے عمار ناصر کے لیے مختلف نظر آئے ہیں۔ شاید ’’الشریعۃ‘‘ کے معیار کے مطابق ’’اعلیٰ اخلاقیات اور کلمہ حق‘‘ اِسی کا نام ہے۔

جاوید اقبال صاحب کی طرف سے سوشل میڈیا پر نشر ہونے والی تحریر کے متعلق بعض حضرات نے ہم سے حقیقتِ حال دریافت کی تو ہم نے سوشل میڈیا کے لیے درجِ ذیل مختصر تحریر لکھ کر نشر کر دی:

’’سوشل میڈیا پر نشر ہونے والی ایک تحریر میں جاوید غامدی کے فکری ترجمان اور شاگردِ خاص' مولانا زاہد الراشدی کے بیٹے عمار ناصر کو ’’قادیانی‘‘ قرار دیا گیا ہے۔ صاحبِ تحریر سے ہم شناسا نہیں، نہ ہی یہ تحریر ہماری منشا پر لکھی گئی ہے، لیکن بعض حضرات نے حقیقتِ حال جاننے کے لیے ہم سے رابطہ کیا ہے۔ لہٰذا اِس بابت جو معلومات ہمارے علم میں ہیں پیش خدمت ہیں: عمار ناصر کے قادیانی مذہب قبول کرنے کی کوئی بات ہمارے علم میں نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ

۱)- عمار ناصر پہلے قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے، اگرچہ اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

- ایک گفتگو میں وہ اِس نظریئے کا اظہار کر بیٹھے، اور اس پر شدید ردِعمل آیا۔ ۱

- اس سلسلہ میں بعض فتاویٰ جات بھی موجود ہیں۔ ۲

- ’’الشریعۃ‘‘ میں ان کا اعتراف موجود ہے کہ وہ پہلے قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ ۳

۲- شدید ردِعمل کے بعد وہ تکفیر کے قائل ہوئے لیکن اسے ’’عملاً تکفیر‘‘ سے تعبیر کیا۔ ۴

- جاوید احمد غامدی کے نزدیک نبیؐ کے بعد اُصولی طور پر کسی کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

- عمار خان ناصر بھی قادیانیوں کی ’’اُصولی طور پر تکفیر‘‘ کے قائل نہیں ہیں۔ ۵

۳- قادیانیوں کی تکفیر نہ کرنے والا شخص بھی عمار خان ناصر کے نزدیک کافر نہیں۔ ۶

۴- قادیانیوں کی طرف داری میں ان کے چند مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ۷

- ان مضامین پر مولانا عبد القیوم حقانی کا نقد 'القاسم' اور 'لولاک' میں بھی شائع ہوا۔ ۸

۵- عمار خان ناصر کے نزدیک قادیانیوں کا بائیکاٹ کرنا بھی درست نہیں ہے۔ ۹

۶- اُنھوں نے مرزا قادیانی کو برا بھلا کہنے کی مخالفت اس لیے کی کہ وہ ایک مذہبی گروہ کا پیغمبر ہے۔

۹۔ اُنکی اِس عبارت کو بعض علماء نے انتہائی خطرناک کچھ نے کفر تک قرار دیا ہے۔۱۰

قادیانیوں اور قادیانیت کے حوالے سے عمار ناصر کی یہ چند چیزیں سر دست ذہن میں آ گئیں، جو اِس بارے میں سوال کرنے والوں کی معلومات کے لیے لکھ دی ہیں۔

حوالہ جات: ۱۔ صفدر: مئی ۲۰۱۲ء، صفدر اکتوبر ۲۰۱۴ء......۲۔ فتویٰ خیر المدارس، مجلّہ صفدر شمارہ: ۵، فتویٰ دار العلوم مدنیہ، صفدر، شمارہ: ۱۵......۳۔ الشریعہ اشاعتِ خاص، اعتراضات کا جائزہ۔ ص: ۱۸۶......۴۔ نوازشات: ۱۵۲......۵۔ صفدر، مئی ۲۰۱۲ء......۶۔ صفدر، اکتوبر ۲۰۱۴ء......۷۔ ماہنامہ اجتہاد مئی ۲۰۰۹ء بحوالہ القاسم جون ۲۰۱۱ء...... ۸۔ القاسم جون ۲۰۱۱ء...... ۹۔ حدود و تعزیرات: ۲۴۱...... ۱۰۔ فتویٰ سنی دار الافتاء، جاری کردہ: ۶/ شعبان ۱۴۴۳ھ

والسلام حمزہ احسانی مجلّہ صفدر [پوتا: امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ]

۱۸/ شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ...... 22/ مارچ 2022ء......منگل

یہ تحریر نشر کیے جانے کے اگلے روز ہی عمار خان صاحب نے قادیانیت کے حوالے سے اپنا موقف نشر کر دیا، جس میں اُنہوں نے بعض اکابر اہل سنت دیوبند کا نام لے کر مغالطہ دینے کی کوشش بھی کی ہے۔ حالانکہ عمار خان صاحب اور اُن کے فکری پیشوا جاوید احمد غامدی کے لیے اجماع امت بھی حجت نہیں چہ جائے کہ چند ایک اہل علم کا قول و فعل۔ اور تو اور عمار خان تو اتنے ''بہادر'' ہیں کہ صحابہ کے اجماع سے اختلاف کرتے ہوئے کسی جھجک کو ہرگز قریب نہیں آنے دیتے۔ ایسی صورتِ حال میں اُن کی بے چارگی قابل رحم ہوتی ہے جب وہ کسی بھاری بھرکم شخصیت کے نام کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں، کبھی وہ امام ابن تیمیہ کا نام لیتے ہیں تو کبھی مولانا دریا آبادی کا، کبھی حضرت امام اہل سنت کا تو کبھی مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ کا۔ جو شخص پوری امت کے علماء کی اجماعی رائے کو حجت نہیں سمجھتا، وہ اگر کسی شخصیت کے نام کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرے تو شاید ''المورد'' کی زبان میں اسے ''اعلیٰ درجہ کی بہادری اور دلائل کا انبار'' کہا جاتا ہے۔

عمار خان صاحب کی تحریر کی وضاحت کے لیے ہم نے درجِ ذیل چند سطور لکھی تھیں:

''ہماری گزشتہ تحریر کی اشاعت کے بعد عمار خان صاحب نے ۲۳/ مارچ ۲۰۲۲ء کو قادیانیوں سے متعلق اپنے موقف کی تحریری وضاحت کی ہے، جس میں چند چیزیں قابل غور ہیں:

۱۔ اُنہوں نے قادیانیوں کو ختم نبوت کا ''منکر'' قرار دینے کے بجائے ختم نبوت کی منفرد تشریح کا مرتکب' لکھا ہے۔ حالانکہ امت مسلمہ کے نزدیک قادیانی ختم نبوت کے منکر ہیں۔

۲۔ اُنہوں نے قادیانی تشریح کو بھی ''کافرانہ'' نہیں کہا بلکہ فقط ''مبتدعانہ'' کہا ہے۔

۳۔ اُنہوں نے قادیانیوں کے لیے ''کافر'' کے بجائے ''غیر مسلم'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور

غامدیوں کے نزدیک کافر اور غیر مسلم میں فرق ہے۔

۴- عمار خان صاحب نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی ''آئینی فیصلے'' کے طور پر تو تائید کی ہے، لیکن شریعت کی رُو سے اُن کی اُصولی تکفیر کا اقرار اَب بھی نہیں کیا۔

۵- آئین میں قادیانیوں کے لیے ''غیر مسلم'' کے ساتھ ''کافر'' کا لفظ بھی موجود ہے۔

۶- عمار خان کے نزدیک قادیانیوں کو غیر مسلموں والے تمام آئینی حقوق حاصل ہیں۔ حالانکہ آئینی حقوق، آئین تسلیم کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں۔ قادیانی تو منکرِ آئین ہیں۔

۷- عمار خان کے نزدیک قادیانیوں اور دیگر غیر مسلموں میں کوئی فرق نہیں۔ حالانکہ امت مسلمہ کے نزدیک قادیانی زندیق کافر ہیں۔ اور زندیق کافر کا حکم عام کافر سے جدا ہے۔

۸- علماء امت کا اتفاقی فتویٰ ہے کہ قادیانیوں سے بائیکاٹ واجب اور انکی مصنوعات خریدنا اور تعلقات رکھنا ناجائز وحرام ہے۔ عمار خان صاحب اِسے دینی حکم ہی نہیں سمجھتے۔

۹- امتِ مسلمہ کی کوششوں سے بحمد اللہ تعالیٰ کے سچے نبیوں کی ناموس کا قانون موجود ہے کہ کسی بھی نبی کی ادنیٰ گستاخی، تحقیر وتوہین کرنے والا قانوناً مجرم ہے۔ عمار خان کہتے ہیں کہ: مرزا قادیانی بھی ایک مذہبی گروہ کا پیغمبر ہے، لہٰذا اُس کی ناموس کا بھی قانون ہونا چاہیے۔ یوں انہوں نے سچے انبیاء اور مرزا قادیانی کی ناموس کو برابر کر دیا ہے۔ العیاذ باللہ

۱۰- عمار خان صاحب کا موقف ہے کہ قادیانیوں کے مذہبی جذبات واحساسات کو مجروح کرنا قانوناً جرم ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ مرزا قادیانی کو کافر کہنے سے قادیانیوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ تو گویا عمار خان صاحب کے موقف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرزا قادیانی کو کافر کہنا بھی اُس کی ناموس کے خلاف اور قانوناً جرم تصور ہوگا۔

۱۱- احادیث میں جھوٹے مدعیان نبوت کے لیے ''کذاب ودجال'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اگر کوئی مسلمان مرزا قادیانی کو مراد لے کر ان احادیث کا لفظی ترجمہ بھی کرے تو عمار خان صاحب کے نزدیک یہ مرزا قادیانی کی ناموس کے خلاف اور آئین کی رو سے جرم شمار ہوگا۔

۱۲- قادیانی اسلام دشمن طاقتوں کے پیدا کردہ، پروردہ اور اسرائیل کے گماشتے ہیں۔ اسلام اور کفر کی کشمکش میں انھیں مسلمانوں کی صفوں میں کھڑا کرنے کا سوال ہی فضول ہے۔

۲۰ رشعبان المعظم ۱۴۴۳ھ...... 24 رمارچ 2022ء...... جمعرات''

عمار خان صاحب نے اپنی تحریر میں مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا مفتی محمد شفیع اور حضرت امام اہل سنت رحمہم اللہ کی تنبیہات کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن میں سے دو واقعات مولانا زاہد الراشدی صاحب کے بیان کردہ ہیں اور ایک غالباً مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا۔ جن میں مذکورہ تینوں بزرگوں نے دعوتی و

تبلیغی میدان میں مرزا قادیانی کو گالیاں دینے سے منع کیا تھا۔اس ممانعت سے عمار خان ناصر صاحب کی غامدی عقل نے مرزا قادیانی کی ناموس پر استدلال کیا ہے کہ جیسے سچے انبیاء کی ناموس کا قانون ہے،ایسے ہی مرزا قادیانی کی ناموس کا بھی قانون ہونا چاہیے۔سبحان اللہ! عمار خان غامدی سے سوال ہے کہ کیا اِن اکابر نے مرزا قادیانی کو کافر، دجال اور جھوٹا نہیں کہا، اگر کہا ہے تو کیا یہ الفاظ پیغمبرانہ ناموس کے خلاف نہیں ہیں؟ جب اِن اَکابر سے مرزا قادیانی کو کافر اور جھوٹا کہنا ثابت ہے تو پھر اُن کی تنبیہ سے مرزا کی ناموس پر استدلال کرنا غامدی عقل وسمجھ ہی کا کرشمہ ہوسکتا ہے۔

## مولانا زاہد الراشدی کی ’’انصاف پسندی‘‘:

قاری عثمان صاحب کی تحریر میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

’’اُنہوں (مولانا زاہد الراشدی[ناقل]) نے کہا ہے کہ وہ اسے مذہبی بلیک میلنگ کی ایک صورت سمجھتے ہیں کہ کسی شریف آدمی پر قادیانیت یا اِس طرز کا کوئی الزام لگا کر اسے وضاحت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے۔اور خواہ مخواہ دباؤ میں لانے کی کوشش کی جائے۔‘‘

یہ تحریر بار بار پڑھیے اور عمار خان کی ’’شرافت‘‘ اور مولانا کی ’’انصاف پسندی‘‘ کو داد دیجیے کہ:

۱-عمار خان نے قادیانیوں کو مسلمان سمجھنے کا اقرار کیا۔

۲-عمار خان نے قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے ہوئے اُن کی طرف داری میں مضامین لکھے۔

۳-عمار خان قادیانیوں کی اُصولی تکفیر اور بائیکاٹ کے قائل نہیں۔

۴-عمار خان نے مرزا قادیانی کی ناموس کو سچے انبیاء کی ناموس کے برابر کر دیا۔

اِن ’’شریفانہ‘‘ آراء کی وجہ سے عمار خان کو ’’قادیانیت نواز‘‘ کہا گیا،لیکن مولانا راشدی اِسے ’’شریف آدمی پر الزام‘‘،’’مذہبی بلیک میلنگ‘‘ اور ’’خواہ مخواہ دباؤ میں لانے کی کوشش‘‘ کہتے نظر آتے ہیں۔

نیز اِن ’’شریفانہ‘‘ آراء کے سرعام اظہار کے باوجود مولانا زاہد الراشدی کو ’’عمار خان پر بھرپور اعتماد‘‘ ہے اور عمار خان اُن کے ’’فکری وعملی معاون اور جانشین‘‘ ہیں۔چنانچہ قاری عثمان صاحب لکھتے ہیں کہ:

’’اُنہوں (مولانا راشدی[ناقل]) نے کہا کہ حافظ محمد عمار خان ناصر ان کا بیٹا ہونے کے ساتھ ساتھ فکری وعملی جدوجہد میں اُن کا معاون ودست وبازو بھی ہے۔اور اُنہیں اس پر مکمل اعتماد ہے۔‘‘

اِس پر ہم کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

والسلام: حمزہ احسانی [۳۱/مارچ ۲۰۲۲ء]

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

# حضرت سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار میں سے قبیلہ اوس کی شاخ عبدالاشہل کے ساتھ تھا ،آپ کی والدہ کا نام کبشہؓ تھا، وہ بھی صحابی ہونے کے شرف سے مشرف تھیں، حضرت سعدؓ مدینہ منورہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر اسلام لائے ،غزوہ بدر، اُحد اور خندق میں شرکت کا اعزاز انہیں حاصل ہے، خندق کے معرکہ میں آپ کے ہاتھ پر زہر میں ڈوبا ہوا تیر لگا، زخم مندمل نہ ہوا اور جان لیوا ثابت ہوا، تیر مارنے والے کا نام حبان بن عرقہ تھا (عرقہ حبان کی ماں تھی، کثرت سے خوشبو لگانے کی وجہ سے اسکا نام عرقہ مشہور ہو گیا ورنہ اسکا نام قلابہ تھا) حبان نے حضرت سعدؓ پر تیر پھینکتے ہوئے کہا تھا: خذ ھا و انا ابن العرقه ''تیر وصول کرو، میں ابن العرقہ ہوں'' آنحضرت ﷺ نے جب یہ سنا تو فرمایا: عرق الله وجهه فی النار ''اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو آگ میں جھلسائے۔'' [الاستیعاب: ۳۱۵]

حضرت سعد بن معاذؓ جس وقت اسلام لائے تو انہوں نے اپنے قبیلہ بنی عبدالاشہل سے کہا: کلام رجا لکم و نسائکم علیّ حرام حتی تسلموا ''تمہارے مردوں اور عورتوں کے ساتھ بات کرنا میرے لئے اس وقت تک حرام ہے جب تک تم اسلام قبول نہ کرو گے۔'' چنانچہ سارا قبیلہ (سوائے چند کے) اسی دن ہی اسلام سے مشرف ہو گیا، اس طرح حضرت سعد کا اسلام لانا بہت بابرکت ثابت ہوا۔ [الاصابہ: ۲/۱۸]

خندق کی طرف نکلتے ہوئے حضرت سعد بن معاذؓ یہ رجز یہ شعر پڑھ رہے تھے

**لبث قليلا يلحق الهيجا جمل　　　لا با س بالموت اذاحان الاجل**

''اے مد مقابل تھوڑی دیر ٹھہر جا، میرا اونٹ میدان جنگ میں پہنچا ہی چاہتا ہے، جب وقت آ جائے تو ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی''۔ [اسد الغابہ: ۱/۹۱۲]

جب حضرت سعدؓ کو تیر لگا اور خون تھمنے کو نہیں آ رہا تھا تو حضرت سعدؓ نے دعا کی: اللهم لا تخرج نفسی حتی تقر عینی فی بنی قریظه ''اے اللہ تب تک میری روح نہ نکلے جب تک میں بنو قریظہ کا عبرتناک انجام دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر لوں''۔ خون اسی وقت رک گیا اور بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کے بعد خون پھر جاری ہو گیا۔

بنو قریظہ یہودیوں کا مشہور قبیلہ تھا، وہ بارہا آنحضرت ﷺ سے بدعہدی کا ارتکاب کر چکے تھے۔

غزوہ خندق میں بھی مشرکین کے شانہ بشانہ ہو کر لڑے، آنحضرت ﷺ نے انہیں انکی حرکتوں کا مزا چکھانے کے لئے انکا گھیراؤ کیا تو انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنا فیصل اور ثالث تسلیم کیا، حضرت سعد کو بلایا گیا، جب وہ تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کی قوم سے فرمایا: **قوموا الی سید کم** اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ (کہ شاید انہیں بوجہ زخمی ہونے کے مدد کی ضرورت پیش آئے) حضرت سعدؓ نے یہود بنی قریضہ کے متعلق فیصلہ فرمایا: یقتل رجالھم ویسبی نسائھم و ذریتھم ان کے مردوں کی گردنیں اڑا دی جائیں اور عورتوں، بچوں کو قیدی بنالیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لقد حکمت فیھم بحکم اللہ من فوق سبع سموات آپ نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کیا۔

[الاستیعاب: ۳۱۶، الاصابہ: ۲/۱۸/۷]

آنحضرت ﷺ کو حضرت سعد بن معاذؓ سے کس قدر محبت تھی! اس کا اندازہ ابن الاثیرؒ کی اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ کا زخم جب بہنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی گود میں لے لیا اور خون رسول اللہ ﷺ پر بہہ رہا تھا نیز آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ سعد مسجد کے ایک خیمہ میں ٹھہرائے جائیں، تا کہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔ [اسد الغابہ: ۱/۹۱۳]

خندق میں لگنے والے زہر آلود تیر کی وجہ سے حضرت سعدؓ کی غزوہ خندق کے ایک ماہ بعد شہادت ہوگئی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لقد نزل الملائکۃ فی جنازۃ سعد بن معاذ سبعون الفا ماوطئوا الارض حضرت سعدؓ کے جنازہ میں شرکت کے لئے آسمان سے ستر ہزار ایسے فرشتے اُترے جو اس سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اُترے تھے۔ [الاستیعاب: ۳۱۶]

حضرت سعدؓ طویل قد اور صحت مند تھے مگر ان کا جنازہ بہت ہلکا تھا، منافقین نے طنز کرتے ہوئے کہا: ''جنازہ کتنا ہلکا ہے'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ان الملائکۃ حملتہ جنازہ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ (حوالہ بالا) جب حضرت سعدؓ کی روح پرواز کر گئی تو حضرت جبریلؑ ریشم کا عمامہ باندھے تشریف لائے اور عرض کیا: یا نبی اللہ من ھذا الذی فتحت لہ ابواب السماء و اھتز لہ العرش؟ یہ کون شخص ہیں جن کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور عرش جھوم اُٹھا۔ (ایضاً)

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کے پاس ریشم کا ایک نرم اور بہت ہی ملائم کپڑا آیا، صحابہ کرامؓ ملائمت دیکھ کر حیرت کا اظہار کر رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم اس کپڑے پر تعجب کرتے ہو: لمندیل من منادیل سعد بن معاذ فی الجنۃ خیر منھا سعد بن معاذ کے بہت سے جنتی رومالوں میں سے ایک رومال بھی اس سے بہت زیادہ عمدہ اور نرم وملائم ہے۔ [الاستیعاب: ۳۱۶]

☆......☆......☆

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ

# سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃ

سوال: ایک دوست نے گفتگو کے دوران کہا کہ جمعہ کے خطبہ میں حدیث عموماً پڑھی جاتی ہے ’’**الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة**‘‘ یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی ہے، ورنہ اہل جنت میں تو انبیاء کرام بھی ہوں گے، کیا حضرت حسنؓ وحسینؓ ان کے بھی سردار ہوں گے؟ آپ سے گزارش ہے کہ اس پر روشنی ڈالیں کہ اس دوست کی بات کہاں تک صحیح ہے؟ سائل: عبداللہ۔کراچی

**الجوب باسمہ تعالیٰ**

یہ حدیث تین قسم کے الفاظ سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے، چنانچہ حدیث کے جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں جامع صغیر میں اس کے لیے مندرجہ ذیل صحابہ کرام کی احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱-حضرت ابوسعید خدریؓ | مسند احمد، ترمذی | ۲-حضرت عمرؓ | طبرانی فی الکبیر |
| ۳-حضرت علیؓ | طبرانی فی الکبیر | ۴-حضرت جابرؓ | طبرانی فی الکبیر |
| ۵-حضرت ابوہریرۃؓ | طبرانی فی الکبیر | ۶-حضرت اسامہ بن زیدؓ | طبرانی فی الاوسط |
| ۷-حضرت براء بن عازبؓ | طبرانی فی الاوسط | ۸-حضرت ابن مسعودؓ | ابن عدی |

[الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر، للسیوطی، ص:۲۳۲، رقم:۳۸۲۰]

ایک اور حدیث کے الفاظ میں: ’’**الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة وابوهما خیر منهما.**‘‘ حسنؓ اور حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اور ان کے والدان سے افضل ہیں۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل صحابہ کرام کی روایت کا حوالہ دیا ہے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱-ابن عمرؓ | ابن ماجہ۔مستدرک | ۲-قرہ بن ایاسؓ | طبرانی فی الکبیر |
| ۳-مالک بن حویرثؓ | طبرانی فی الکبیر | ۴-ابن مسعودؓ | مستدرک |

[الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر، للسیوطی، ص:۲۳۲]

اس حدیث کے یہ الفاظ بھی مروی ہیں: ’’**الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة الاابنی الخالة عیسیٰ بن مریم ویحییٰ بن زکریا. وفاطمةسیدة نساء اهل الجنة الاماکان مریم بنت عمران.**‘‘ حسن وحسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں سوائے دو خلیری بھائیوں عیسیٰ بن مریم

اور یحییٰ بن زکریا علیہم السلام کے اور فاطمہ خواتین جنت کی سردار ہیں سوائے مریم بنت عمران کے۔‘‘

یہ روایت حضرات ابوسعید خدریؓ سے مسند احمد، صحیح ابن حبان، مسند ابی یعلی، طبرانی معجم کبیر اور مستدرک حاکم میں مروی ہے۔ مجمع الزوائد (۹،۱۸۳،۱۸۴) میں یہ حدیث حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت حسینؓ سے بھی نقل کی ہے۔ [مجمع الزوائد و منبع الفرائد للھیثمی: ۹/۱۸۳،۱۸۴]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تیرہ (۱۳) صحابہ کرامؓ سے مروی ہے (جن میں سے بعض احادیث صحیح ہیں بعض حسن اور بعض ضعیف) اس لیے یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ بلکہ حافظ سیوطیؒ نے اِس کو متواترات میں شمار کیا ہے جیسا کہ فیض القدیر شرح جامع صغیر میں نقل کیا ہے۔ [فیض القدیر: ۳/۴۱۵]

رہا یہ کہ اہل جنت میں تو انبیاء کرام بھی ہوں گے اس کا جواب یہ ہے کہ جوانان اہل جنت سے مراد وہ حضرات ہیں جن کا انتقال جوانی میں ہوا ہو، ان پر حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سیادت ہوگی، حضرت انبیاء کرام علیہم اسلام اس سے مستثنیٰ ہیں، اسی طرح حضرات خلفاء راشدین اور وہ حضرات جن کا انتقال پختہ عمر میں ہوا وہ بھی اس میں شامل نہیں۔

چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے: **ابوبکر و عمر سیدا کھول اھل الجنۃ من الاولین والاخرین ماخلاالنبیین والمرسلین.** ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما سردار ہیں اہل جنت کے پختہ عمر لوگوں کے اولین وآخرین سے سوائے انبیاءؑ ومرسلین کے۔

یہ حدیث بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱-حضرت علیؓ | مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ | ۲-حضرت انسؓ | ترمذی |
| ۳-حضرت ابوجحیفہؓ | ابن ماجہ | ۴-حضرت جابرؓ | طبرانی فی الاوسط۔ مجمع الزوائد |
| ۵-حضرابوسعید خدریؓ | طبرانی فی الاوسط۔ مجمع الزوائد | ۶-حضرت ابن عمرؓ | بزار۔ مجمع الزوائد |
| ۷-حضرت علیؓ بن ابی طالب | (امام ترمذی نے اس کا حوالہ دیا ہے) | | |
| ۸-حضرت انسؓ | (امام ترمذی نے اس کا حوالہ دیا ہے) | | |

[مسند احمد، رقم: ۶۰۲۔ ترمذی: ۲: ۲۰۸۔ ابن ماجہ: ۱۰۔ ترمذی: ۲/۲۰۷۔ ابن ماجہ: ۲/۱۱۔ مجمع الزوائد: ۹/۵۳۔ ترمذی: ۲/۲۰۷۔ ایضاً]

اس حدیث میں حضرات شیخینؓ کے کہول اہل جنت کے سردار ہونے کے ساتھ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے استثناء کی تصریح ہے۔ ان دونوں احادیث کے پیش نظر یہ کہا جائے گا کہ حضرات انبیاء کرام کے علاوہ اہل جنت میں سے جن حضرات کا انتقال پختہ عمر میں ہوا ان کے سردار حضرات شیخین رضی اللہ عنہما ہوں گے اور جن کا جوانی میں انتقال ہوا ان کے سردار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ہوں گے۔ واللہ اعلم

# سیدا شباب اھل الجنۃ

ایک عالم کی جانب سے حدیث نبوی: **"الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنۃ."** کے بارے میں سوال کیا گیا تھا اور اس سلسلہ میں بعض لوگوں کے اشکالات نقل کیے گئے تھے، ذیل کی تحریر موصوف کے اسی سوال کا جواب ہے جو قارئین ''بینات'' کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

اس ناکارہ نے اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں اس حدیث کی تخریج پر ایک مختصر سا مضمون لکھا تھا جس میں اس حدیث کے مصادر کی نشاندہی کرتے ہوئے آخر میں لکھا تھا: ''اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تیرہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے جن میں سے بعض احادیث صحیح ہیں بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں، اس لیے یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ بلکہ حافظ سیوطیؒ نے اِس کو متواترات میں شمار کیا ہے جیسا کہ (علامہ مناوی نے) فیض القدیر شرح جامع صغیر میں نقل کیا ہے۔'' [فیض القدیر للمناوی: ۴۱۵/۳]

یہ مضمون ماہنامہ ''بینات'' کراچی بابت ماہ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ میں شائع ہو چکا ہے (جناب کے ملاحظہ کے لئے ارسال خدمت ہے) بعد میں دیکھا کہ مشہور غیر مقلد عالم شیخ امیر الدین البانی نے **سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ** (جلد دوم صفحات: ۴۳۸، ۴۴۸) میں اس حدیث کو لیا ہے اور دس صحابہ کرامؓ کی احادیث پر مفصل کلام کیا ہے۔ بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: ''خلاصہ یہ کہ یہ حدیث بلاریب صحیح ہے، بلکہ متواتر ہے جیسا کہ مناوی نے نقل کیا ہے۔'' اس تحقیق کے بعد مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں رہ جاتی، تاہم جناب کے گرامی نامہ کی مناسبت سے چند نکات عرض کرتا ہوں۔

۱)- اس ناکارہ نے یا شیخ البانی نے اس حدیث کے مصادر و مراجع کی جو نشاندہی کی ہے اگر مزید تفشیش سے کام لیا جائے تو اس پر اضافہ ممکن ہے، یہاں اس کی صرف ایک مثال ذکر کر دینا کافی ہوگا۔ شیخ البانی نے حدیث علیؓ کے چار طرق ذکر کر کے چاروں کی تضعیف کی ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے المطالب العالیہ (۱۷/۴) میں اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کر کے اس کے رجال کی توثیق کی ہے اور اس کے حاشیہ میں علامہ بوصیری سے نقل کیا ہے کہ: ''**رواتہ ثقات**'' [المطالب العالیہ: ۲۸۳/۹]

۲)- شیعہ راویوں اور مصنفین نے حضرات صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرات خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کے فرضی مثالب و عیوب اور حضرت علی اور ان کی اولاد امجاد (رضی اللہ عنہم) کے باب میں روایات کا جو خود ساختہ طومار تصنیف کیا ہے اس کا ردعمل بعض سنی حضرات پر ایسا شدید ہوا کہ وہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے فضائل و مناقب کے بارے میں ایسے محتاط اور ذکی الحس ہو گئے کہ: ''دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔'' کے مطابق ان حضرات کے بارے میں وارد شدہ ہر روایت کو یہ حضرات شک

وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انکو یہ خیال رہتا ہے کہ ع ''ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں'' خصوصاً ایسی روایات جس کے کسی راوی پر تشیع کا الزام ہو، یہ حضرات اس کو بلا تامل شیعوں کی ساختہ پرداختہ قرار دے لیتے ہیں، اس کی وجہ سے ان حضرات کے ذہن میں فضائل ومناقب علیؓ واولادہ سے ایک کھنچاؤ سا پیدا ہوگیا ہے۔اس ناکارہ کے نزدیک یہ چیز لائق اصلاح ہے۔

۳)۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت اور آپ ﷺ کی توقیر وتعظیم لازمہ ایمان ہے، اور آپ ﷺ کے احباب اور عزیز واقارب سے الفت ومحبت آپ ﷺ ہی کی محبت کا شعبہ ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:''**احبوا الله لمايغذوكم به من نعمه، واحبوني بحب الله، واحبوا اهل بيتي بحبي. اخرجه الترمذي وقال حديث حسن غريب**[سنن الترمذی :۲۱۹/۲] **واخرجه الحاكم وصححه واقره الذهبي**'' [المستدرك على الصحيحين :۱۳۰/۴] اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو ان نعمتوں کی وجہ سے جن سے تم کو غذا مہیا فرماتے ہیں۔اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو میری محبت کی وجہ سے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے:''**والذي نفسي بيده لقرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم احب الى ان اصل قرابتي.**'' [صحيح البخاری :۵۲۶/۱] اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

نیز اسی کے متصل حضرت صدیق اکبر کا دوسرا ارشاد امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے: **ارقبوا محمد صلى الله عليه وسلم فى اهل بيته.** [صحيح البخاری :۵۲۶/۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ رکھو۔

لہٰذا شیعوں کے تصنیف کردہ طومار کو دیکھ کر اہل سنت کے دل میں اِن اَکابر سے کبیدگی پیدا نہیں ہونی چاہئے، بلکہ ان اکابر کے جو فضائل ومناقب احادیث صحیحہ ومقبولہ میں وارد ہوئے ہیں ان کو پورے انشرح قلب کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ان اَکابر کے فضائل کی احادیث کو رد کردینے کے درپے ہونا ظلم ہے اور یہ مسلک اہل حق سے انحراف ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کردینا ضروری ہے کہ یہ اکابر شیعوں کے نہیں بلکہ اہل سنت کے محبوب ومحترم بزرگ ہیں، شیعوں کا ان سے اظہار محبت درحقیقت ''حب علی'' نہیں بلکہ بغض معاویہ'' ہے بلکہ محبت کے پردہ میں دشمنی کا مصداق ہے۔

۴)- ہرفن میں اس فن کے مسلمہ ماہرین کا قول لائق اعتبار ہوتا ہے، اس لیے کسی حدیث کی تصحیح وتضعیف میں حضرات محدثین کا قول معتبر ہے، ماوشما اس لائق نہیں کہ ان کی طرف التفات کیا جائے۔ یہ ایک فطری اصول ہے جو تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے۔

۵)- کسی حدیث کی تنقیح کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے تمام ماخذ ومصادر کو سامنے رکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ یہ حدیث کتنے صحابہؓ سے مروی ہے؟ کن کن محدثین نے اس کی تخریج کی ہے؟ ہر صحابیؓ کی حدیث کتنی اسانید کے ساتھ منقول ہے؟ اور فن حدیث کے ماہرین نے ہر سند کے راویوں کے بارے میں کیا رائے قائم کی ہے؟ اور تمام طرق واسانید کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحیثیت مجموعی اس حدیث کے بارے میں کیا حکم لگایا ہے؟ ہمارے دور کے محققین نے یہ نرالا اُصول ایجاد کیا ہے کہ روایت کے کسی طریق میں کوئی شیعہ راوی یا کوئی مجروح راوی واقع ہو تو بس سمجھ لو کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ زیر بحث حدیث قریباً پندرہ صحابہؓ سے مروی ہے، پھر ہر صحابیؓ کی حدیث کے متعدد طرق ہیں، یزید بن ابی زیاد کا نام حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث کے صرف ایک طریق میں آتا ہے، باقی طرق میں نہیں اور معلیٰ بن عبدالرحمٰن صرف عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں آتا ہے۔ لیکن ہمارے محققین پندرہ کے پندرہ صحابہ کرامؓ کی احادیث اور ان کے طرق متنوعہ سے آنکھیں بند کر کے صرف ان دو راویوں کے حوالے سے حدیث کو موضوع قرار دے رہے ہیں۔ اس بد مذاقی پر مجھے یہ لطیفہ یاد آیا کہ ایک قادیانی نے مجھے لکھا کہ حدیث: ''**انا خاتم النبیین لانبی بعدہ**'' ضعیف ہے اور اس کے کسی راوی پر جرح کا حوالہ بھی نقل کیا تھا۔ اس وقت تو میں نے اس بے چارے کو معذور سمجھا تھا کہ ''جہل مرکب'' کے مریض کا مرض لاعلاج ہوا کرتا ہے۔ مگر بعد میں مجھے تجربہ ہوا کہ موجودہ دور میں تمام زائغین کا یہی طریقہ واردات ہے۔

۶)- کسی راوی کے بارے میں جرح وتعدیل اور تحسین وتنقیح کے الفاظ مروی ہوں تو صرف جرح کے الفاظ نقل کر دینا بے انصافی ہے۔ اُصول یہ ہے کہ جرح وتعدیل کے الفاظ کو ترازو کے پلوں میں رکھو پھر دیکھو کہ کس کا پلہ جھکتا ہے؟ اور کتنا جھکتا ہے؟

معلیٰ بن عبدالرحمٰن پر جرح شدید ہے، اس کو متروک اور متہم بالوضع قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس کی روایت تو لائق التفات نہیں، لیکن یزید بن ابی زیاد اس درجہ کا راوی نہیں کہ اس کو متروک یا واضع الحدیث قرار دیا گیا ہو، اس سے امام جرح وتعدیل شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، جریر بن عبدالحمید، علی بن مسہر، محمد بن فضیل جیسے ائمہ حدیث واکابرین محدثین روایات لیتے ہیں، جبکہ امام شعبہؒ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ غیر ثقہ سے روایت نہیں لیتے تھے، امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں اس کو درجہ دوم کے راویوں

میں شمار کیا ہے، جن کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر چہ یہ راوی حفظ و اتقان کے درجہ علیا پر فائز نہیں:

**”فان اسم الستر والصدق وتعاطی العلم یشملھم کعطاء بن السائب ،ویزیدبن ابی زیاد و لیث بن ابی سلیم و اضرابھم من حمال الآثارونقال الاخبار“** [مقدمہ مسلم :۱/۴] لیکن ستر، صدق اور علم کے اخذ و تحصیل کا نام ان کو بھی شامل ہے، جیسے عطاء بن السائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم اور ان کے ہم مثل حضرات جو احادیث کے حامل اور اخبار کے ناقل ہیں۔“

الغرض یزید بن ابی یزید کو کذاب یا متروک قرار نہیں دیا گیا، البتہ اس پر دو جرحیں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ یہ ائمہ شیعہ میں سے تھا، لیکن متقدمین کی اصطلاح میں تشیع اور رافضیت میں فرق تھا، جو لوگ حضرت علیؓ کی طرف مائل تھے لیکن باقی خلفائے راشدین کو برا نہیں کہتے تھے، ان کو شیعہ کہا جاتا تھا، اور جو لوگ حضرات خلفائے راشدین کے حق میں براعقیدہ رکھتے تھے انہیں رافضی کہا جاتا تھا۔ حضرات محدثین روافض کی روایت کو نہیں لیتے، لیکن جو لوگ غالی التشیع نہ ہوں ان کی روایت لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ زیر بحث حدیث اجلہ محدثین نے یزید سے روایت کی ہے۔

اور دوسری جرح اس پر یہ ہے کہ اسے آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا اور حافظہ گڑ بڑ ہو گیا تھا، اس طرح کی صورت بہت سے راویان حدیث کو پیش آئی ہے، اس کے لیے حضرات محدثین نے یہ اُصول قائم کیا ہے کہ ایسے راویوں کی روایات اختلاط سے قبل قبول کی جائیں، اختلاط کے بعد کی نہیں۔

اور یزید بن ابی زیاد کے بارے میں ابو اسامہ کا جو قول نقل کیا ہے کہ اگر وہ پچاس قسمیں بھی کھائے تب بھی اس کو سچا نہیں سمجھوں گا۔ یہ ایک خاص حدیث کے بارے میں ہے، جس کو یزید، ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہؓ کی سند سے نقل کرتا تھا اور یہ ”حدیث رایات“ کے عنوان سے معروف ہے۔

خلاصہ یہ کہ یزید بن ابی زیاد پر تعمد کذب کی تہمت نہیں، ابو اسامہ نے جو اس کی ”حدیث رایات“ کی تکذیب کی ہے تو یہ اختلاط اور غلط فہمی کی وجہ سے ہے، تعمد کذب کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ امام مسلمؒ نے صحیح کے مقدمہ میں یحییٰ بن سعید القطان کا قول نقل کیا ہے: **”لم نری الصالحین اکذب منھم فی الحدیث“** اور امام مسلمؒ نے اس کی توجیہ فرمائی ہے کہ: **”یجری الکذب علی لسانھم ولایعتمدون الکذب۔“**[مقدمہ مسلم:۱/۱۴]

علامہ ذہبیؒ نے ”میزان“ میں یزید بن ابی زیاد کے ترجمہ میں امام شعبہ کا قول نقل کیا ہے: **ما أبالی اذا کتبت عن یزید بن أبی زیاد ألا أکتب عن أحد.** [میزان الاعتدال :۶/۹۷] جب میں نے یزید بن ابی زیاد سے حدیث لکھ لی تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں نے یہ حدیث کسی اور سے نہیں لکھی۔“

نقد رجال میں شعبہ کا جو مرتبہ ہے وہ سب کو معلوم ہے، لہٰذا جوش تحقیق میں اس کو کذاب اور وضاع کہنا نہ صرف علمی دیانت کے خلاف ہے، بلکہ عدل وانصاف کا خون کرنا ہے اور زیر بحث حدیث سے شیعہ کے کون سے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے؟ اور اہل سنت کے کس عقیدہ کی نفی ہوتی ہے؟ تا کہ یہ کہنے کی گنجائش ہو کہ یزید نے یہ حدیث اپنی بدعت کے فروغ کے لیے گھڑی ہوگی۔

۷)- آپ نے حبیب الرحمٰن کاندھلوی کو شیخ الاسلام لکھا ہے، یہ بزرگ کب سے اس لقب کے ساتھ سرفراز ہوئے؟ اور ان کو یہ لقب کس نے مرحمت فرمایا؟ مجھے اس کا علم نہیں، یہ صاحب بہت عرصہ پہلے میرے پاس آئے تھے اور میں نے ان کی گفتگو سے اندازہ کیا تھا کہ یہ بے چارے ذہنی اختلاط کا شکار ہونے کی وجہ سے معذور ہیں، بعد میں ان صاحب کی کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ میرا قیافہ غلط نہیں تھا اور بہت بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صاحب شروع ہی سے ذہنی اختلال میں مبتلاء تھے اور ان کے والد گرامی جناب مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ نے ان کو عاق کر رکھا تھا، بہر حال یہ صاحب منکرین حدیث کے شیخ الاسلام ہوں تو ہوں مسلمانوں کے شیخ الاسلام نہیں، اور ان کی عجیب وغریب تحقیقات پر (جو ان کے ذہنی اختلال کا نتیجہ ہیں) اعتماد کرنا جائز نہیں۔

۸)- امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں اس حدیث پر ایک معترض کا اعتراض نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے اس اعتراض وجواب کو نقل کر کے اس کے چند فوائد کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

**(قال ابوجعفر فقال قائل) كيف تقبلون هذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم مع علمكم ان هذا القول كان منه والحسن والحسين يومئذ طفلان ليسا بشابين وانما هذا القول اخبار انهما سيدا شباب اهل الجنة وليسا حيئذ من الشباب، (فكذا جوابنا له) فى ذلك بتوفيق الله عزوجل وعونه انهما قد كانا فى الوقت الذى كان من رسول الله ﷺ هذا القول فيهما ليسا بشابين كماذكرت، ولكن بمعنى انهما سيكونان شابين سيدا شباب اهل الجنة، وكان هذا منه علما من اعلام نبوته؛ لانه اخبر انهما يكونان شابين فى المستانف، و ذلك لايكون منه الاباعلام الله عزوجل اياه انه سيكون ويكونان به كماقال ولو لاذلك لماقال فيهما ذلك القول اذكنا لوذلك القول قد يجوز عنده ان يموتا قبل ان يكونا شابين اويموت احدهما قبل ذلك، ولماكان له عليه الصلاة والسلام ان يقول لهماذلك القول فكان فيه حقيقة بلوغهماان يكونا كما قال عقلنا بذلك انما جاز له لا علام الله عزوجل اياه انه كائن فيهما.** [تحفة الاخيار بترتيب شرح مشكل الآثار، كتاب المناقب، رقم:۶۴۲۱]

ایک شخص نے اس حدیث پر اعتراض کیا کہ تم اس کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے کیسے قبول کرتے

ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت صادر ہوا ہوگا جب کہ حسنین رضی اللہ عنہما اس وقت بچے تھے، جوان نہیں تھے۔ اس قول میں خبر دی گئی ہے یہ دونوں حضرات جوانان اہل جنت کے سردار ہیں، حالانکہ وہ جوان نہیں، بلکہ بچے ہیں تو یہ قول کیسے صحیح ہوگا؟

ہم نے اللہ کی توفیق اور مدد سے اس معترض کو یہ جواب دیا کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے وقت تو یہ دونوں حضرات واقعی بچے تھے، جیسا کہ تم نے کہا، لیکن ارشاد پاک سے مدعا یہ تھا کہ یہ دونوں جوان ہوکر جوانان اہل جنت کے سردار ہوں گے اور یہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نبوت تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ یہ دونوں حضرات مستقبل میں جوان ہوں گے اور یہ ارشاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر اس کے صادر نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی ہو کہ مستقبل میں ایسا ہوگا۔ اور یہ حضرات جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جوان ہوں گے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں یہ نہ فرماتے، کیونکہ اس بات کا امکان تھا کہ جوانی کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی دونوں کی یا ان میں سے ایک کی موت واقع ہو جاتی، اس امکان کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ممکن نہیں تھا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس حقیقت کو متضمن ہے کہ یہ دونوں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جوان ہوں گے اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اعلام الٰہی کی بناء پر فرمایا کہ مستقبل میں ایسا ہوگا۔''

امام طحاویؒ کے اس سوال کے جواب سے چند امور معلوم ہوئے:

اول: کم فہم ناقدین اس حدیث پر پہلے بھی نکتہ چیں رہ چکے ہیں، یہ آج کے جدید محققین کا نیا انکشاف نہیں۔

دوم: امام طحاویؒ نے ہمارے محققین کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے، بلکہ اس کو صحیح تسلیم کر کے معترض کے اعتراض کا جواب دیا۔ امام طحاویؒ کا تفسیر وحدیث، فقہ واُصول اور دیگر علوم دینیہ میں جو مرتبہ ہے اس سے اہل علم واقف ہیں۔ کیا دورِ جدید کے لوگوں میں سے کوئی ان کی گرد کو بھی پہنچ سکتا ہے؟

سوم: آپ کے شیخ الاسلاموں کو تو یہ حدیث موضوع نظر آتی ہے، لیکن امام طحاویؒ جیسا امام مجتہد اس کو معجزہ نبوت قرار دیتا ہے، کیا آج کے اہل علم کے لیے اس میں کوئی عبرت ہے؟

حق تعالیٰ شانہ قلب ونظر کے فساد سے محفوظ رکھیں۔ واللہ اعلم

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی، بینات۔ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

[فتاویٰ بینات: ۲/۵۰-۶۲]

بیان: مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مدظلہ [مجاز بیعتِ توبہ: قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ]

# صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہی جنت کا راستہ ہے

بمقام: جامعہ مظہریہ حسینیہ جھہان سومرو سندھ......مورخہ: ۹ رفروری ۲۰۲۲ء برموقع سالانہ جلسہ

بعد از خطبہ مسنونہ۔ تعوذ، تسمیہ "**ومن یشاقق الرسول من بعد تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولیٰ ونصله جهنم، وساء ت مصیرا.**" درودِ پاک!

راہ ملتی ہے شب کو تاروں سے — اور ہدایت نبی کے یاروں سے

ہم فخر سے کہتے ہیں ہمارے ہیں صحابہؓ — واللہ ہمیں جان سے پیارے ہیں صحابہؓ

وہ چاند جو روشن ہوا بطحا کے اُفق پر — اس چاند کے تابندہ ستارے ہیں صحابہؓ

زباں پر مومنوں کے جب بھی ذکرِ تاجدار آجائے — تو اس کے بعد لازم ہے کہ ذکرِ چار یار آئے

ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ باغباں جب ہوں — تو پھر کیونکر نہ باغِ مصطفیٰ ﷺ میں اِک بہار آئے

معزز علمائے کرام! بزرگان دین! برادرانِ اہل السنۃ والجماعۃ!

جامعہ [مظہریہ حسینیہ] کا سالانہ پروگرام الحمدللہ قرآن کریم کی تلاوت اور نعتیہ کلام سے شروع ہو چکا ہے۔ اِس پروگرام کے اندر اپنے لیے شرکت باعثِ سعادت سمجھتا ہوں۔ جب بھی [یہاں] آتا ہوں سماعت کی نیت سے ہی آتا ہوں لیکن حضرت (شیخ الحدیث دامت برکاتہم) کے حکم کی تعمیل کرنی پڑتی ہے اور اُس حکم کی تعمیل میں کچھ عرض کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ بڑے بڑے حضرات آئیں گے، حضرت امیر مرکزیہ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں، ختم بخاری ہوگا اور دیگر علماء کے قیمتی بیانات ہوں گے، آپ حضرات کو انتہائی علمی اور روحانی فائدہ ہوگا۔ تمام حضرات یہ بیانات انتہائی توجہ کے ساتھ سماعت کریں، عمل کے نیت سے سُنیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اِس پروگرام کے اَنوارت وبرکات نصیب فرمائیں اور اس کو اپنے دربار میں قبولیت عطا فرما کر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کی ہدایت اور نجات کا ذریعہ بنائیں۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم کو اللہ رب العزت صحت وعافیت کے ساتھ مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کے روحانی فیض کو اللہ تعالیٰ عام اور تام فرمائیں۔

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی جو آیت مبارکہ تلاوت کی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: **ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی.** جس نے اللہ کے رسول کی مخالفت کی، ہدایت واضح ہو

جانے کے بعد، **ویتبع غیر سبیل المؤمنین** .اور ایمان والوں کے راستے کے علاوہ کوئی راستہ ڈھونڈا، **نولہ ماتولیٰ** .جدھر وہ جانا چاہتا ہے ہم اُدھر ہی اس کو پھیر دیں گے، **ونصلہ جھنم** .اور آخرت میں اسے جہنم میں داخل کریں گے، **وساء ت مصیرا**: بُرا ٹھکانا ہے وہ۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو جنت کی راہ بتائی کہ جنت کی راہ کون سی ہے، جہنم سے بچنے کا ذریعہ کیا ہے، اللہ رب العزت نے اس آیت میں فرما دیا کہ: جو شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں زندگی گزارے گا، ایمان والوں کے راستے پر چل کر زندگی گزارے گا، اُسے جنت ملے گی، اور جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں، ایمان والوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ جہنم میں جائے گا۔ یہاں ایمان والوں سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہیں اور آیت میں یہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت (اور) ایمان والوں کا راستہ اپنانا ضروری ہے۔

(آیت کے اِس دوسرے جملے سے اللہ تعالیٰ کیا بتانا چاہتے ہیں؟) حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آیت میں: **ویتبع غیر سبیل المؤمنین** .کا جملہ کیوں ارشاد فرمایا؟ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ یوں فرما دیتے: '**ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی، نولہ ماتولیٰ، ونصلہ جھنم، وساء ت مصیرا** .تو بات پھر بھی واضح تھی کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں زندگی گزارے گا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ ''ایمان والوں کے راستے'' کا یہ جملہ جو اللہ نے آیت میں فرمایا: **ویتبع غیر سبیل المؤمنین** .اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں اللہ نے یہ فرمایا؟ تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِس لیے کہ اُمت کو کیا معلوم کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کر رہا ہوں یا مخالفت کر رہا ہوں؟ اِس لیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے تو صحابہ کرامؓ ہیں، وہ ایمان والے ہیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جہاد کرتے ہوئے دیکھا، چلتے ہوئے دیکھا، بیٹھنا دیکھا، کھانا دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد کو دیکھا، عمل کو دیکھا، اَخلاق کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک اَدا کو دیکھا تو کس نے دیکھا؟ صحابہ کرامؓ نے دیکھا! تو عینی شاہد جو ہیں ہر ہر چیز کے وہ صحابہ کرامؓ ہیں، تو اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں یہ بتا دیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم کرنا ہو کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں چل رہے ہیں یا مخالفت کر رہے ہیں تو بس صحابہ کرام کو دیکھ لو! صحابہ کرام جو کر رہے ہیں اس طرح کرو، یہ موافقت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور صحابہ کرامؓ جو نہیں کر رہے ایسا مت کرو کیونکہ یہ مخالفتِ رسول ہے۔ اَب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی امت کے درمیان واسطہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ تو اِسی سے پتہ چلے گا کہ موافقت کر رہا ہوں یا مخالفت کر رہا ہوں۔ صحابہؓ سے

پتہ چلے گا۔ اِس لیے کہ باقی امت کو نماز کس نے سکھائی؟ صحابہؓ نے سکھائی! توحید کس نے سکھائی؟ صحابہؓ نے سکھائی! ایمان کس نے سکھایا؟ صحابہؓ نے سکھایا۔ دین کا ہر ہر عمل، دین کی ایک ایک بات باقی امت کو سکھانے والے کون ہیں؟ صحابہؓ ہیں۔

اِس لیے آپ دیکھئے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **'ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین. وآخرین منھم لما یلحقوا بھم** .اَب اِن دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بیان فرما رہے ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اُمت کے ایک حصے کی طرف براہِ راست ہے اور ایک حصے کی طرف بالواسطہ یعنی صحابہ کے واسطے سے ہے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بعثت ہوئی ہے تو ایک وہ امت ہے جس کی طرف براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے اور آپ اللہ کی توحید و وحدانیت اور اپنی نبوت و رسالت کا پرچار براہِ راست اُن کے سامنے کریں اور وہ امت کون ہے؟ اہل عرب! اُن کی طرف آپ کی بعثت بلا واسطہ ہوئی ہے، براہِ راست ہوئی ہے۔ **ھو الذی بعث فی الامیین رسولا.**

اور امت کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت براہِ راست نہیں ہے بالواسطہ ہے: **وآخرین منھم لما یلحقوابھم** .اور دوسرے جو ہیں: **وآخرین**.ان میں سے: **لما یلحقوا بھم** .جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے، اُمت کا وہ حصہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر براہِ راست ایمان لانے والوں میں شامل نہیں ہوا۔ اُمت کا وہ حصہ جو ابھی ایمان والوں میں شامل نہیں ہوا، ابھی شامل نہیں ہوا: **لما یلحقوا بھم**.اس کا مطلب یہ ہے کہ (وہ بھی ایمان والوں میں) شامل ہوگا، ابھی نہیں ہوا، ہوگا۔ تو وہ کن کے واسطے سے ہوا؟ وہ صحابہ کرامؓ کے واسطے سے ہوا۔ تو باقی امت کی طرف بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالواسطہ ہے، صحابہؓ کے واسطہ سے آپ کی بعثت ہے، آپ کا دین' آپ کا کلمہ باقی امت تک پہنچایا صحابہؓ نے۔ اِس لیے دُور دراز علاقوں میں، دوسرے ملکوں میں، دنیا کے کونے کونے تک صحابہؓ پہنچے اور وہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلایا تو صحابہؓ کے بلانے پر، دعوت پر جو تیار ہو گیا (اور کہنے لگا کہ مجھے دین کی بات) بات سمجھ آ گئی ہے۔ اَب (آگے) کیا کرنا ہے؟ تو صحابی رسول ہی (اُن سے یہ) کہہ سکتا ہے کہ اِس (میرے) ہاتھ پر ہاتھ رکھو اور کلمہ پڑھو، اِس لیے کہ یہ ہاتھ وہ ہے جو نبی کے ہاتھ پہ پڑا اور اِس نے کلمہ پڑھا۔ یعنی وہ ہاتھ پیش کیا گیا جو ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر پڑا اور کلمہ پڑھا، تو یہ بات صحابی ہی کہہ سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور نہیں کہہ سکتا تھا۔ تو اس لیے باقی اُمت تک جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پہنچا صحابہؓ کے واسطہ سے پہنچا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بلا واسطہ عرب کی طرف اور بالواسطہ عجم کی

طرف، پوری دنیا کی طرف بالواسطہ بعثت۔

تو اب صحابہؓ درمیان میں واسطہ ہیں۔اس لیے اب موافقت یا مخالفت جو معلوم ہوگی تو وہ صحابہ کرامؓ سے معلوم ہوگی کہ صحابہ کرامؓ جو کررہے ہیں یہ موافقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔اور صحابہؓ جو نہیں کر رہے ایسا کرنا مخالفت ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔تو اللہ نے جنت کی راہ جو ہے اِس آیت میں ہمیں بتائی کہ جنت کا راستہ کون سا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کرنا، یہ جنت کا راستہ ہے اور تمہیں موافقت معلوم کہاں سے ہوگی؟ ایمان والوں سے، صحابہ کرامؓ سے! تو گویا قرآن صحابہؓ سے بول رہا ہے۔

اور یہ بات سن لیں کہ جنت کا راستہ ایک ہے، جہنم کے راستے بہت سارے ہیں، ہدایت کا راستہ ایک ہے، گمراہی کے راستے بہت سارے ہیں۔**ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ، ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ** .اللہ رب العزت فرماتے ہیں: بیشک یہ میری راہ ہے، یہ سیدھی راہ ہے، مستقیم ہے، دیکھیں واحد کا صیغہ ہے، ایک راہ ہے، ہدایت کی راہ ہے، یعنی میری راہ۔**فاتبعوہ**: اس پر چلو، اس کی اتباع کرو۔ **ولا تتبعوا السبل** .دوسرے راستوں پر مت چلو! سبل سبیل کی جمع ہے، یعنی دوسرے راستے، گمراہی کے راستے بہت سارے ہیں، ان راستوں پر مت چلو! **فتفرق بکم عن سبیلہ** : ورنہ تم صراطِ مستقیم سے کٹ جاؤ گے، جدا ہو جاؤ گے۔

یہ آیت جب نازل ہوئی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفصیل سمجھانے کے لیے ایک نقشہ کھینچا، زمین پر ایک سیدھا خط کھینچا، سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے خط' لکیریں اِدھر بھی اُدھر بھی دونوں طرف چھوٹے چھوٹے خط بنا دیئے، فرمایا: یہ سیدھا خط جو ہے یہ ہے صراطِ مستقیم اور اس کے ساتھ یہ جو لکیریں ہیں، یہ سب گمراہی کے راستے ہیں، ہر راستے پر شیطان کھڑا ہے اور جو اس راستے پر چلتا ہے شیطان اس کو آواز دیتا ہے اِدھر آجاؤ! اِدھر آجاؤ! ختم نبوت کا اِنکار کردے، صحابہ کا اِنکار کردے، صحابہ کے معیارِ حق ہونے کا اِنکار کردے، اور انبیاء کی عصمت کا اِنکار کردے، حدیث کا اِنکار کردے، اِس کی کوئی ضرورت نہیں۔جب (راستہ چلنے والا) شیطان کی آواز پر چل پڑا تو وہ صراطِ مستقیم سے کٹ گیا، صراطِ مستقیم سے جدا ہو گیا، جس نے ختم نبوت کا اِنکار کردیا وہ صراطِ مستقیم سے جدا ہو گیا، جس نے صحابہ کا اِنکار کردیا وہ صراطِ مستقیم سے جدا ہو گیا، جس نے حدیث کا انکار کردیا وہ صراطِ مستقیم سے جدا ہو گیا، کٹ گیا۔تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ سیدھا خط، یہ ہے صراطِ مستقیم، جنت کا راستہ ایک ہے، جنت کے راستے کے لیے بہت ساری لکیریں نہیں کھینچیں، جنت کے راستے کے لیے ایک لکیر کھینچی۔اور گمراہی کے راستوں کے لیے بہت ساری لکیریں کھینچیں۔تو اِس لیے اس آیت کے اندر اللہ رب العزت

فرماتے ہیں: ایک راستہ ہے جو جنت والا راستہ ہے، گمراہی کے راستے بہت سارے ہیں، کوئی ختم نبوت کا انکار کرتے ہوئے جہنم میں جائے گا، کوئی صحابہؓ کا انکار کرتے ہوئے جہنم میں جائے گا، کوئی حدیث کا انکار کرتے ہوئے جہنم میں جائے گا۔ تو اس طرح بہت سارے عقیدے، جو گمراہی والے عقیدے ہیں وہ اختیار کرے گا، صراطِ مستقیم سے کٹ جائے گا اور جہنم میں جائے گا، جہنم کا مستحق ہوگا۔ (معلوم ہوا کہ سیدھا راستہ، نجات کا راستہ، جنت کا) راستہ ایک ہے۔

(ہدایت کا راستہ ایک بھی ہے، اور پُرخطر بھی ہے۔) تو ایسا راستہ جو پُرخطر راستہ ہو تو ناواقف آدمی کے اس راستے پر چلنے کے لیے رہبر کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ وہ منزل کو پالے۔ تو صراطِ مستقیم کا راستہ پُرخطر ہے، کیوں کہ اُس کے ساتھ جڑے ہوئے اور (بہت سے) راستے موجود ہیں۔ (لہٰذا) اَب اس راستے پر چلنے کے لیے، منزل پانے کے لیے رہبر کی ضرورت ہے۔ تو اللہ رب العالمین نے صراطِ مستقیم کا رہبر و رہنما کس کو بنایا؟ صحابہ کرام کو بنایا! صراطِ مستقیم کے رہبر و رہنما صحابہ کرامؓ ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے قول میں فرماتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میں وہ قول آپ کے سامنے ذکر کروں گا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے قول میں کیا فرماتے ہیں۔

صحابہؓ کے بارے میں خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں کہ: بنی اسرائیل کے ۷۲ر فرقے ہوئے اور میری امت کے ۷۳ر فرقے ہوں گے۔ **ستفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة.** ۷۳ر فرقے ہوں گے۔ یہ ۷۲/۷۳ عدد کثرت کے لیے آتا ہے یعنی بنی اسرائیل کے فرقے بھی بہت ہوئے، لیکن میری اُمت میں اس سے بھی زیادہ ہوں گے، (اور حدیث میں فرمایا:) **کلھم فی النار**: سارے آگ میں جائیں گے۔ **الا ملة واحدة**: مگر ایک فرقہ، ایک جماعت جنت میں جائے گی۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سی جماعت جنت میں جائے گی؟ آپ نے فرمایا: **ما انا علیه و اصحابی.** کہ جو اُس راستے پر چلے گی جس راستے پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

آپ اِس حدیث کو قرآن کی سورۃ نساء کی اس آیت کی تفسیر سمجھ لیں (جو شروع میں تلاوت کی گئی ہے۔) تو اللہ نے فرمایا کہ نبی کی مخالفت کرنے والا، ایمان والوں کے راستے کو چھوڑنے والا جہنم میں جائے گا۔ نبی کے موافقت کرنے والا، ایمان والوں کے راستے پر چلنے والا، صحابہؓ کے پیچھے چلنے والا جنت میں جائے گا۔ تو اللہ کے نبی نے بھی یہی فرمایا: **ما انا علیه و اصحابی**: جو میرے اور میرے صحابہؓ کے راستے پر چلے گا وہ جنت میں جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنا فرمادیتے: **ما انا علیه**: جس راستے پر میں ہوں، جو اس راستے پر چلے گا وہ جنت میں جائے گا، جو اس راستے سے کٹے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ فرمادیتے تو

بات تو صحیح تھی۔ اللہ کے نبی کی اتباع میں جنت اور مخالفت میں جہنم ہے۔ جس طرح قرآن نے یہاں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت، ایمان والوں کے راستے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کرے گا تو جہنم میں جائے گا۔ اِسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرا اور میرے صحابہ کا راستہ چھوڑے گا تو جہنم میں جائے گا۔ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیا۔

گویا کہ فرمایا کہ یہ معیار جو دیا جا رہا ہے، جنت کا معیار جو بتایا جا رہا ہے، یہ باقی اُمت کے لیے ہے، صحابہؓ کے لیے نہیں ہے۔ (صحابہ تو خود معیارِ حق ہیں۔) صحابہؓ نے تو سوال اپنے لیے کیا تھا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون سے جماعت، کون سا گروہ ہے جو جنت میں جائے گا، صحابہؓ نے تو اپنے لیے سوال کیا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں باقی امت کے لیے معیار ارشاد فرما دیا کہ: باقی امت اگر صحابہ سے جڑے گی تو جنت میں جائے گی۔ اور جو صحابہ سے نہیں جڑے گا وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔

**ما انا علیہ:** جس راستے پر میں ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنتی ہونا بحیثیت نبی ہونے کے قطعی ہے، یعنی یقینی طور پر قطعی طور پر اللہ کا نبی جنتی ہوتا ہے۔ اور آگے جو فرما دیا: **واصحابی:** گویا کہ میرے صحابہ ''صحابی'' ہونے کی وجہ سے وہ قطعی طور پر جنتی ہیں۔ باقی امت ان کے ساتھ جڑے گی تو جنت پائے گی، ان سے کٹے گی تو جہنم پائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ فرما دیا۔

اسی طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **فان آمنوا بمثل ماامنتم به فقد اهتدوا** .اَب یہاں دیکھیں کہ اللہ نے کتنے واضح الفاظ میں فرما دیا کہ: اگر وہ ایمان لائیں تمہارے جیسا، یہ خطاب کس کو ہے؟ (صحابہ کو!) تمہارے جیسا ایمان! اس آیت کا مصداق صحابہؓ کے علاوہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟ صحابہؓ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا، یہ خطاب ہے ہی صحابہ کو کہ: اگر تمہارے جیسا ایمان لائیں گے تو ہدایت پائیں گے، اگر تمہارے جیسا ایمان نہیں ہے تو ہدایت بھی نہیں ہے۔

تو اللہ رب العالمین ایک جگہ نہیں سینکڑوں مقامات پر قرآن کے ماننے والوں کو صحابہؓ کے ساتھ جوڑتے ہیں، صحابہؓ سے جڑو! یہ ایمان والے ہیں، یہ جنتی ہیں۔ ایک ایک ایمانی صفت کا تذکرہ قرآن میں اللہ نے کر دیا، صحابہ کرامؓ کے ظاہری اعمال کا تذکرہ اللہ نے قرآن میں کر دیا، صحابہ کرامؓ کے باطن کا تذکرہ اللہ نے قرآن میں کر دیا۔ اللہ رب العالمین نے فرمایا: **ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه فى قلوبكم** .اب دیکھیں! انداز دیکھیں! الفاظ دیکھیں! اللہ کیا فرما رہے ہیں؟ صحابہ کو خطاب کر کے اللہ فرما رہے ہیں: **ولكن الله حبب اليكم الايمان** .لیکن اللہ نے تمہارے ہاں ایمان کو محبوب کر دیا، ایمان کی محبت تمہارے دلوں میں اللہ نے ڈال دی ہے اور اللہ نے ایمان کی زینت کے

ساتھ تمہارے دلوں کو مزین کر دیا۔ کیسے الفاظ ہیں؟ محبت کا تعلق کس کے ساتھ ہوتا ہے؟ دِل کے ساتھ ہوتا ہے! محبت دل میں ہوتی ہے۔ تو ایمان کی محبت سے مراد کیا ہے؟ ایمان کے جو مقتضیات ہیں، ایمان جن چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے، صحابہؓ کے یہاں وہ چیزیں محبوب ہیں، ہر ایمان کے مقتضی کے ساتھ صحابہ کو محبت ہے، دیکھیں ایمان تقاضہ کرتا ہے نماز کا، تو سارے صحابہ نمازی اور نماز بھی اپنی مرضی کی نہیں جس طرح اللہ چاہتے تھے صحابہ کی نماز اسی طرح کی تھی، ایمان تقاضہ کرتا ہے اِنفاق فی سبیل اللہ کا، تو اللہ نے صحابہؓ کے اِنفاق فی سبیل اللہ کو بیان کیا، صحابہؓ کی نماز کا تذکرہ قرآن میں خود اللہ نے کیا، جہاد فی سبیل اللہ کا تذکرہ قرآن میں اللہ نے کیا، یعنی اُن کو محبت تھی جہاد کے ساتھ۔

وہ صحابہ کرامؓ جو کم عمر ہونے کی وجہ سے سمجھتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں واپس کر دیں گے اور ساتھ جہاد کے لیے نہیں لیکر جائیں گے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا حکم دیا تو صحابہؓ کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں صحابیؓ جو جا رہے ہیں میں ان سے مضبوط ہوں، ان سے تگڑا ہوں، اس کے ساتھ میری کشتی کرا دیں، جب اس کو اجازت ہے مجھے بھی ملنی چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی کشتی کراوئی تو کان میں اُن صحابی سے کہتے ہیں کہ تجھے تو اجازت مل گئی ہے، میں نے اپنے لیے اجازت لینے کے لیے بات کی ہے، ذرا کمزوری دکھانا، تاکہ میں تجھے گرادوں، مجھے بھی اجازت ملے۔ یہ محبت ہے نا جہاد کے ساتھ۔ ایک ایک چیز کے ساتھ محبت۔

اللہ نے جب ایمان کی محبت (صحابہ کے دلوں میں) ڈال دی تو ایمان کے جو مقتضیات ہیں ان کی محبت بھی صحابہؓ کے دل میں اللہ نے خود ڈال دی۔ اللہ نے خود صحابہؓ کے ایک ایک عمل کی تعریف کی: **وزینہ فی قلوبکم**. (ظاہر کی تعریف کے ساتھ ساتھ اللہ نے صحابہ کے باطن کی تعریف بھی فرمائی کہ:) صحابہ کا باطن بھی بڑا صاف ستھرا تھا: **وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان**: اللہ نے تمہارے دلوں میں کفر کی نفرت ڈال دی، **والفسوق**: گناہ کی نفرت ڈال دی، **والعصیان**: اور نافرمانی کی نفرت ڈال دی۔

اب دیکھیں اللہ نے تین لفظ استعمال کیے: کفر، فسوق اور عصیان۔ کفر اور شرک تو آپ جانتے ہیں۔ صحابہؓ کے دلوں میں کفر کے ساتھ شرک کے ساتھ نفرت انتہائی درجہ کی تھی۔ فسوق: ظاہری گناہ کو کہتے ہیں، نماز نہ پڑھنا، یہ ظاہری گناہ ہے، چوری کرنا، یہ ظاہری گناہ ہے، جھوٹ بولنا، گناہ ہے، یہ جتنے بھی فسوق کہتے ہیں: شریعت کی مخالفت، شریعت کا جو حکم ہے اس کی مخالفت کرنا، یہ فسوق ہے، ظاہری گناہ ہے۔ اس کی وجہ سے ہم ایسے آدمی کو فاسق کہتے ہیں جو نماز نہیں پڑھتا، داڑھی نہیں رکھتا، روزے نہیں رکھتا، اللہ کا جو حکم ہے حرام سے بچنے کا، اس سے نہیں بچتا، سود سے نہیں بچتا، رشوت سے نہیں بچتا، شریعت کی مخالفت کر رہا ہے،

ایسے شخص کو ہم کیا کہتے ہیں؟ فاسق! اور عصیان کا تعلق باطنی گناہوں کے ساتھ ہے، تکبر: یہ باطن کا گناہ ہے، ریا کاری ر دکھاوا، یہ باطن کا گناہ ہے۔ اسی طرح حبِ جاہ ر عجب: یہ باطن کا گناہ ہے، ناشکری ر بے صبری: یہ باطن کا گناہ ہے، دنیا کی محبت ر حرص ر لالچ: یہ باطن کا گناہ ہے۔ تو اللہ کیا فرماتے ہیں؟ صحابہ کے دلوں میں عصیان کی نفرت بھی اللہ نے ڈالی، تکبر کے ساتھ نفرت (اللہ نے ڈالی)۔ عجب ر حبِ جاہ کے ساتھ نفرت اللہ نے ڈالی، صحابہ میں ریا کاری نہیں تھی، اِخلاص تھا۔ عند اللہ ر اللہ کے ہاں وہ انسان مقرب اور محبوب بن سکتا ہے جس کا باطن پاکیزہ ہو، باطنی گناہوں سے دِل پاک ہو جائے۔ ایک آدمی نماز پڑھتا ہے، تہجد پڑھتا ہے، ذِکر اَذکار ساری چیزیں کرتا ہے، لیکن اُس کے دل میں تکبر ہے، اُس کے اندر ریا کاری ہے، دکھاوا ہے، اُس کے اندر دنیا کا حرص اور لالچ ہے، وہ عند اللہ نیک نہیں عند اللہ فاسق ہے، (کیونکہ وہ) عصیان ر نافرمانی کر رہا ہے، اللہ نے تکبر سے منع کیا، وہ تکبر کر رہا ہے، اللہ نے دنیا کی محبت سے منع کیا، اُس کے دل میں دنیا کی محبت ہے، حرص اور لالچ سے اللہ نے منع کیا، اُس کے اندر حرص اور لالچ ہے، باطنی گناہوں سے اس کا باطن بھرا ہو ہے، اِس لیے ایسا شخص اللہ کا ولی نہیں بن سکتا، اللہ کا محبوب اور مقرب نہیں بن سکتا۔ (اللہ کا محبوب و مقرب کون ہوسکتا ہے؟ وہ شخص) جس کی زندگی میں شریعت بھی سو فیصد ہو اور باطنی اعمال بھی اس کے اندر موجود ہوں وہ شخص عند اللہ نیک اور صالح کہلا سکتا ہے۔

تو اللہ نے صحابہ کی گواہی دے دی کہ صحابہ کا باطن بھی پاک اور ظاہر بھی پاک ہے۔ صحابہؓ کی زندگی میں شریعت بھی سو فیصد اور صحابہ کی زندگی میں طریقت بھی سو فیصد۔ تو اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے کہ صحابہ میرے ہاں محبوب کیوں ہیں کہ ان کا ظاہر بھی پاکیزہ ہے اور باطن بھی پاکیزہ ہے۔ یہ کتنی بڑی گواہی ہے۔ صحابہ کی شانوں کو خود اللہ تعالیٰ بیان کر رہے ہیں، صحابہ کی عظمتوں کو خود اللہ تعالیٰ بیان کر رہے ہیں۔

اَب ایک سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کی عظمت کو کیوں بیان فرما رہے ہیں؟ کیا ضرورت پیش آئی؟ صحابہ کی اتنی مدح اور تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت عرصہ پہلے (جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام) جہلم کے ایک جلسہ میں دورانِ بیان فرمایا تھا کہ جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت صحابہ کی تعریف کرتے کرتے سیر ہی نہیں ہوتے۔ صحابہ کا تذکرہ چھیڑتے ہیں تو پھر کرتے جاتے ہیں۔ کہیں اُن کے ایمان کی تعریف ہے، کہیں اُن کی نماز کی تعریف ہے، کہیں اُن کے اعمال کی تعریف ہے، کہیں اُن کے اخلاص کی تعریف ہے، کہیں اُن کے جہاد کی تعریف ہے، کہیں اُن کے انفاق فی سبیل اللہ کی تعریف ہے، ایک ایک صفت کے ساتھ صحابہ کی تعریف اللہ تعالیٰ کرتے جاتے ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کے تذکرے سے سیر ہی نہیں ہوتے۔

دیکھیں ناں، اللہ نے کیا فرمایا؟ **"یایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ"**. اللہ فرماتے ہیں: مرتدین کے فتنے کو کچلنے کے لیے جو جماعت میں لاؤں گا، اس کی صفات اللہ بیان فرمارہے ہیں، یعنی جن صحابہ سے اللہ نے فتنہ ارتداد کو کچلنے کا کام لیا، اُن کی صفات بیان فرمارہے ہیں، پہلی صفت: **"یحبھم و یحبونہ"**. اللہ کو اُن سے محبت اور اُن کو اللہ سے محبت۔ اللہ اُن کا محبوب اور وہ اللہ کے محبوب۔ یہ کسی بزرگ کی بات نہیں ہے، یہ کسی اِنسان کی بات نہیں ہے، یہ کوئی تاریخ کی بات نہیں ہے۔ یہ کس کی بات ہے؟ قرآن کی بات ہے! اللہ خود فرمارہے ہیں کہ وہ جماعت میری محبوب اور میں اُن کا محبوب۔ صرف اتنا ہی فرمادیتے کہ: وہ جماعت میری محبوب ہوگی، تو بات کافی تھی یا نہیں؟ ایمان والے کے لیے بات کافی تھی۔ جو اللہ کا محبوب وہ ایمان والے کا محبوب۔ جب صحابہ اللہ کے محبوب تو صحابہ ہمارے محبوب ہیں۔ اتنی بات بھی کافی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا: میں اُن کا محبوب ہوں، وہ میرے محبوب ہیں۔ بھئی! محبت میں مزہ کب آتا ہے؟ جب محبّ کا محبوب بھی محبّ بن جائے۔ محبّ اپنے محبوب کو اتنا راضی کرے، اتنا راضی کرے کہ اس کا محبوب اس کا محبّ بن جائے اور اس کو اپنا محبوب بنالے۔ اللہ نے اِس چیز کو یہاں بیان کیا کہ جماعتِ صحابہ میں یہ صفت موجود ہے کہ ان کے دلوں میں میری محبت اور میرے ہاں ان کی محبت۔ تو ایمان والوں کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ صحابہ جب اللہ کے محبوب ہیں، اللہ کے نبی کے محبوب ہیں تو ایمان والوں کے بھی محبوب ہیں۔ اِس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ قرآن میں صحابہ کی تعریفیں کیوں کرتے ہیں؟ اِس لیے کہ جو دین اسلام اللہ نے اپنے نبی پر اُتارا، وہ دین اسلام دنیا میں کس کے ذریعے پھیلا؟ صحابہ کے ذریعہ پھیلا۔ تو اللہ نے اپنا اعتماد ظاہر کیا کہ صحابہ کرام کی یہ جماعت میری بڑی بااعتماد جماعت ہے۔ اُن کے اخلاص کی تعریف اللہ نے کردی: **"یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا"**. **"یریدون وجھہ"** اخلاص بڑی نعمت ہے۔ اخلاص کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ نہ ظاہر بنتا ہے نہ باطن بنتا ہے۔ جو کچھ بنتا ہے، اخلاص سے بنتا ہے، بغیر اخلاص کے کچھ بھی نہیں ہے۔

اس لیے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! اخلاص کی حقیقت کو بیان فرمائیں تاکہ علی وجہ البصیرت اِس کو ہم سمجھیں، کیونکہ اس کے بغیر تو کچھ بھی نہیں۔ ہر چھوٹے بڑے عمل کی قبولیت کا دارومدار اخلاص پر ہے۔ تو ذرا اِس کی حقیقت کو بیان فرمادیں، تاکہ ہم اچھی طرح اس کو سمجھ لیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: میں نے حضرت جبریل سے پوچھا تو جبریل امین نے کہا کہ میں نے اللہ رب العالمین سے پوچھا کہ: یا اللہ! اخلاص کیا چیز ہے؟ اِس کی کیا حقیقت ہے؟ تو اللہ رب العالمین نے فرمایا: **"سِر مِن اَسراری، اودعتُہ فی قلب مَن اَحب اِلیَّ مِن**

**عبادی**". یہ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے، بندوں میں سے جو محبوب ترین بندہ ہوتا ہے، اس کے دِل میں رکھتا ہوں۔ گویا (بظاہر) نیک کام کرنے والا ہر شخص (مخلص نہیں ہوتا۔) وہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اخلاص ہے یا نہیں ہے۔ ہم تو اس کے ظاہر کو دیکھ کر کہیں گے کہ نیک ہے، لیکن اللہ کے ہاں نیک تب ہوگا جب اخلاص سے کر رہا ہے۔ اگر اخلاص سے نہیں کر رہا تو اللہ کے ہاں نیک نہیں ہے۔ تو یہ اللہ کا راز ہے راز! اور رَاز کس کو دیا جاتا ہے؟ جس میں دو صفتیں ہوں۔ [۱] ایک تو وہ راز کو جانتا ہو کہ جو بات میرے سامنے ہوئی ہے، یہ راز کی بات ہے۔ [۲] دوسرا وہ راز دار بھی ہو۔ راز کو راز میں رکھ بھی سکے۔ یہ نہیں کہ بات راز کی ہو اور اسے پھیلانا شروع کر دے۔ راز دان بھی ہو، راز دار بھی ہو۔ اگر ایک شخص کے اپنے بیٹے میں یہ صفات نہ ہوں، وہ راز دان اور راز دار نہ ہو تو کوئی راز کی بات اپنے بیٹے کو بھی نہیں بتاتا۔ راز کی بات راز دان اور راز دار کو ہی کہی جاتی ہے اور بتائی جاتی ہے، اسے ہی راز دیا جاتا ہے۔ تو اللہ نے جو فرما دیا کہ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ تو پھر یہ ہر کسی کو نہیں ملے گا، بلکہ اُسی کو ملے گا جس میں دو صفات ہوں گی، راز دان بھی ہو، راز دار بھی ہو! صحابہ میں دونوں صفتیں تھیں۔ (اِس لیے اُنھیں اخلاص نصیب ہوا۔)

ایک واقعہ ہے کہ ایک غلام رات کو اللہ سے مانگ رہا ہے، دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! رات میرے پاس فارغ ہے، میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہوں۔ اور چونکہ میں غلام ہوں، آقا کی خدمت کرنا مجھ پر لازم ہے، لہٰذا دِن اپنے آقا کی خدمت میں گزرتا ہے۔ اگر دِن کا وقت بھی فارغ ہوتا تو دِن بھی آپ کی بارگاہ میں گزرتا۔ ایک رات اُس کے آقا نے اُس کی یہ دعا سن لی۔ صبح اُس نے غلام سے پوچھا کہ یہ رات کو تم کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے تیری دعا سنی، تو ساری رات یہی دعا کر رہا تھا، لہٰذا اَب میں تجھے آزاد کرتا ہوں، تو اپنا دن بھی اپنے رب کو دے دے۔ یہ سن کر غلام نے فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھائے کہ: یا اللہ! آج تک یہ میرا اور آپ کا راز تھا، اَب یہ راز کھل گیا ہے، لہٰذا اَب میں مزید زندگی نہیں چاہتا۔ مجھے اپنے پاس بلا لے! اِس کو کہتے ہیں راز۔ اخلاص جو ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ احادیث اور صحابہ کے اقوال کی روشنی میں یہ بات مزید عرض کرنی تھی، لیکن نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ اللہ رب العالمین ہمیں صحیح عقیدہ، صحیح ایمان پر قائم رکھے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ہمیں عطا فرمایا جس میں سارے صحابہ کا احترام ہے، سب اہل بیت کا احترام ہے، اولیائے کرام کا احترام ہے۔ یہ جنتی مذہب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اِسی پر ہمیں جینا اور مرنا نصیب فرمائے۔ اور ہمیں اخلاص عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی

# مشاجراتِ صحابہ

''ملاحظہ: الاحسان آن لائن اکیڈمی کے زیرِ اہتمام ''اسلامی عقائد کورس (حصہ دوم)'' کے آخری سبق کا عنوان ''مشاجراتِ صحابہ'' تھا۔ اس سبق میں مذکورہ عنوان پر درجِ ذیل گزارشات پیش کی گئیں۔''

مشاجرات کے لغوی معنی ہیں: آپس کے اختلافات، آپس کی لڑائیاں، مخالفتیں۔ مشاجراتِ صحابہ کا مطلب ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان ہونے والی جنگیں۔ یہ کل دو تھیں: ایک کو جنگ جمل کہتے ہیں اور دوسری کو جنگ صفین۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی عقائد میں مشاجراتِ صحابہ کا مسئلہ بہت نازک اور حساس ہے، تھوڑی سی اونچ نیچ ہو جائے، کمی بیشی ہو جائے، افراط و تفریط ہو جائے تو اس سے انسان کسی بڑی گمراہی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس لیے بلا ضرورت یہ مسئلہ کریدنے سے، اس کی چھان بین کرنے سے اور اس کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرام پر اعتماد قائم رکھنا اور اُن سے عقیدت قائم رکھنا ایمانی تقاضا ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے صحابہ کے دِل پاک ہو چکے تھے، اُن میں سے کسی کے دل میں یہ خواہش نہیں تھی کہ وہ حکومت حاصل کرے، اور حکومت حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں سے لڑنے کا تو صحابہ کرام کے بارے میں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حسد، بغض، کینہ وغیرہ اُن کے دل میں نہیں تھا۔ امانت، دیانت، تقویٰ اور ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی و ہمدردی کے جذبات تھے، اس کے باوجود جو اُن کے آپس میں اختلافات ہو گئے وہ انتظامی اختلافات تھے، اجتہادی اختلافات تھے۔ کفر اور اسلام کے اختلافات نہیں تھے، حق اور باطل کے نہیں تھے، ضد و عناد کی وجہ سے نہیں تھے کہ جس کی وجہ سے معاذ اللہ کسی کو کافر یا فاسق یا منافق کہیں۔ اور یہ جو لڑائیاں ہوئیں ان میں بڑا کردار فساد پھیلانے والوں کا، سبائی سازشیوں کا تھا، جنہوں نے بے بنیاد پروپیگنڈے اور جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلائیں جن کی وجہ سے ایسی نوبت آ گئی۔

ہمیں صحابہ کرام کے حوالے سے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کے قرآن نے اُن کو پکا، سچا مومن قرار دیا ہے، اگر کسی موقع پر ہمیں ہماری عقل اس کے خلاف کچھ کہے تو ہم اپنی عقل کو جھٹلائیں گے، اللہ کے قرآن کو سچا قرار دیں گے اور وہ ہے ہی سچا۔ صحابہ کرام کی آپس میں جو لڑائیاں ہوئیں، اختلافات ہوئے، جنگیں ہوئیں، ان جنگوں کے بعد بھی سب صحابہ کرام ''عادل'' ہی رہے اور ان جنگوں میں حصہ لینے کے بعد بھی صحابہ اُسی

طرح جنتی ہیں جیسے ان میں حصہ لینے سے پہلے تھے۔ باقی رہیں تاریخی روایات! اُن کی قرآن کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ اگر ان کی وجہ سے صحابہ کرام پر کوئی حرف آتا ہے تو ان روایات کو اُٹھا کر دیوار پر مارنا چاہیے۔

مشاجراتِ صحابہ کا جو مسئلہ ہے، اِس میں گفتگو کرنی تو نہیں چاہیے، لیکن جب بعض لوگ غلط عقیدے اِس بارے میں پھیلا رہے ہوں، غلط نظریات پھیلا رہے ہوں، بعض صحابہ کرام کا اعتماد لوگوں کے دل سے اُٹھا رہے ہوں، یا بعض صحابہ کرام کو طنز و تشنیع کا نشانہ بنا رہے ہوں تو پھر صحابہ کرام کے دفاع کی خاطر ہی یہ مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی ہمارے اکابر نے یہ مسئلہ جو بیان کیا ہے، یا عقائد کی کتابوں میں لکھا گیا ہے، یا ہم جو اِس پر گفتگو کرتے ہیں، اس کا مقصد تمام صحابہ کرام اور اُن کی شرعی حیثیت کا دفاع ہوتا ہے۔ کیوں کہ اِس مسئلہ کی آڑ میں بہت سے گروہ ایسے ہیں جو حق سے، صراطِ مستقیم سے اور اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔ اُنھوں نے صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ کو پیش نظر نہیں رکھا۔

یہ مسئلہ بیان کرنے میں دو احتیاطیں بہت ضروری ہیں: [۱] ایک یہ کہ الفاظ بہت محتاط ہوں، کیوں کہ دونوں طرف صحابہ کرامؓ ہیں، کوئی لفظ بے ادبی والا بالکل نہ ہو۔ [۲] اور دوسری احتیاط یہ ہے کہ: جمہور اُمت نے جو موقف اختیار کیا ہے، اُس کے ساتھ مضبوط وابستگی ہو۔ چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ یا ہمیں اُس کی کچھ باتیں خلافِ عقل لگیں۔ اِس لیے کہ نہ تو ہمارا علم اتنا ہے کہ ہم چودہ سو سالہ اُمت سے زیادہ علم کا دعویٰ کر سکیں، نہ ہمارا تقویٰ ایسا ہے کہ ہم اپنے آپ کو پوری اُمت سے زیادہ دیانت دار سمجھیں۔ اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے دِل میں صحابہ کرام کی جو محبت اور احترام ہے وہ چودہ سو سال کی اُمت سے زیادہ ہے۔ علم و تحقیق، تقویٰ و دیانت اور حبِ صحابہ میں پوری اُمت سے کوئی فرد یا گروہ نہیں بڑھ سکتا۔

مشاجراتِ صحابہ کا اجمالی خاکہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو جب باغیوں نے شہید کر دیا، تو اُس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا خلیفہ بنایا گیا، وہ خلیفہ راشد چہارم قرار پائے اور اس کے بعد مسلمانوں میں دو جنگیں ہوئیں: [۱]- ایک جنگِ جمل ہے، جس میں ایک طرف حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عائشہؓ جو امہات المومنین میں سے ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین، ایک جانب یہ تھے۔ اور دوسری جانب حضرت علیؓ جو خلیفہ چہارم، خلیفہ راشد، مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ [۲]- اور دوسری جنگِ صفین: جس میں ایک طرف سیدنا امیر معاویہؓ جو کاتب وحی ہیں، جن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہادی اور مہدی ہونے کی دعا کی، ایک طرف وہ ہیں، دوسری طرف خلیفہ راشد، خلیفہ چہارم، حضرت علیؓ جو خلیفہ بھی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں، اہل بدر میں سے بھی ہیں، مہاجر بھی ہیں اور ان کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ: جب تم ان کو خلیفہ بناؤ گے تو ہادی و مہدی پاؤ گے۔ اِن حضرات کے جو آپس کے اختلافات تھے، وہ انتظامی نوعیت کے تھے، اجتہادی

نوعیت کے تھے اور بعض مقامات پر غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں اور ان میں زیادہ کردار سازشی عناصر کا تھا، انہوں نے اِن لڑائیوں میں بہت کردار ادا کیا۔ یہ عبداللہ بن سبا کی بنائی ہوئی سازش تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان آپس میں لڑیں اور ان کا نظام سارا درہم برہم ہو جائے۔

اب ہم مختصر طور پر چند سوالات کا جائزہ لیتے ہیں، پہلا سوال یہ ہے کہ یہ مشاجرات اللہ تعالیٰ نے پیش کیوں آنے دیئے، اللہ تعالیٰ چاہتے تو یہ نہ پیش آتے؟ اِس کا جواب ہے تو بہت تفصیلی مختصر یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جہاں اِس میں اور حکمتیں ہوں گی وہاں یہ حکمت بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ قیامت تک آنے والی اُمت کے لیے نمونہ ہیں تو مسلمانوں میں اگر آئندہ وقتوں میں آپس میں لڑائی ہو جائے گی تو پھر کیا ہوگا؟ ایک دوسرے کو کافر قرار دیں گے؟ ایک دوسرے کے جنازے پڑھیں گے یا نہیں پڑھیں گے؟ ایک دوسرے پر کیسے فتوی لگائیں گے؟ تو اِس کے لیے ایک نمونہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرامؓ میں ہی ہمارے سامنے کر دیا، اَب وہ نمونہ ہمارے سامنے ہے، کبھی بھی مسلمانوں کا آپس کا جھگڑا ہو اور لڑائی ہو جائے تو پھر اس نمونہ سے ہم رہنمائی لے سکتے ہیں۔

اگلا سوال یہ ہے کہ جنگِ جمل کیوں پیش آئی؟ جواب: سبائیوں کی شرارت کی وجہ سے۔ کیا شرارت تھی؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے اصل قاتلوں میں سے کچھ تو موقع پر مارے گئے اور کچھ فرار ہو کر وہاں سے نکل گئے، دُور دراز ملکوں میں چلے گئے، اور باقی جو پورے مدینے میں پھیلے ہوئے سازشی تھے، جو آئے ہی اِس نیت سے تھے کہ حضرت عثمان کو معزول کیا جائے، کسی اور کو خلیفہ بنایا جائے، تو وہ بکھر گئے، کچھ اُن میں سے کوفہ چلے گئے، کچھ بصرہ چلے گئے، کچھ مدینہ میں رہ گئے۔ تو حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے یہ سوچا کہ ہم مسلمانوں کا ایک لشکر تیار کر کے ان باغیوں سے حضرت عثمان کا بدلہ لیں تو یہ حضرات بصرہ شہر تشریف لے گئے، وہاں لڑائی بھی ہوئی، بہت سے باغی مارے بھی گئے۔ ایک باغی جو بچ کر بھاگ نکلا، اُس نے جا کر اپنا پورا قبیلہ ان کے خلاف کھڑا کر دیا اور پانچ ہزار لوگ مزید مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لے گئے تاکہ ان حضرات کو یہ سمجھائیں کہ سازشیوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے لوگوں کا صحابہ سے اعتماد اُٹھتا جا رہا ہے، حالانکہ صحابہ دین کی بنیاد ہیں۔ لہٰذا اتحاد و اتفاق کے ساتھ ہم پہلے اس پروپیگنڈے کی تلافی کریں، لوگوں کو مرکز پر اعتماد دِلایا جائے اور پھر اس کے بعد مل کر ان سازشیوں کا بندوبست کیا جائے۔ اس مقصد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر ملاقات ہوئی، بات چیت ہوئی اور وہ بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ جب سازشیوں نے دیکھا کہ اب یہ اکٹھے ہو رہے ہیں، پھر ہماری خیر نہیں ہے، تو ایک دن انہوں نے دونوں طرف اپنے لوگ پھیلا دیئے اور منصوبہ بنایا کہ کچھ سازشی حضرت عائشہؓ کے لوگوں میں

شامل ہوکر حضرت علیؓ کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں پر حملہ کر دیں۔ اور کچھ سازشی حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر دوسری جانب کے لشکر پر حملہ آور ہو جائیں۔ اور دونوں جانب یہ مشہور کر دیں کہ دوسری طرف کے لوگوں نے دھوکہ دیا۔ اس طرح لڑائی شروع ہوگئی جو چند گھنٹے جاری رہی، اس میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان سے، لڑائی سے الگ ہو کر چلے گئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر تشریف لائیں اور بار بار پکارتی رہیں کہ بیٹو! نہ لڑو! نہ لڑو! لیکن کسی نے ان کی ایک نہ سُنی۔

جب لڑائی ختم ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں جانب کے لوگوں کے جنازے بھی پڑھے، کفن دفن کا بھی انتظام کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب کے لیے دعا کی۔ کسی نے اُن سے پوچھا کہ دونوں طرف کے حضرات کیسے جنتی ہوسکتے ہیں کچھ قاتل ہیں کچھ مقتول ہیں؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ حضرت طلحہؓ جب شہید ہوئے تو شہادت سے کچھ پہلے انہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر کے ایک آدمی کے ہاتھ پر تجدید بیعت کر لی کہ میں حضرت علی کی بیعت پر ہی دنیا سے جانا چاہتا ہوں۔ حضرت زبیر لشکر سے الگ ہو کر جا رہے تھے کہ ایک آدمی نے اُن کا تعاقب کر کے اُن کو شہید کر دیا، پھر وہ اُن کا سر لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا، بتانا چاہا کہ آپ کے یہ مخالف تھے، میں نے ان کا سر قلم کر دیا ہے۔ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تمہیں جہنم کی خوشخبری دیتا ہوں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ زبیرؓ کے قاتل کو جہنم کی خوشخبری دے دو۔ حضرت علیؓ جب ان حضرات کی میت کے پاس پہنچے تو بہت غمزدہ ہوئے، بہت روئے بلکہ سب ہی لوگ جو وہاں تھے رونے لگ گئے۔ حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ کے چہرے سے گرد و غبار صاف کیا اور کہنے لگے میں اور زبیرؓ اور طلحہؓ جنت میں ان لوگوں میں سے ہوں گے جو جنت میں جائیں گے تو ان کی آپس کی رنجشیں ساری نکل چکی ہوں گی۔ دو آدمیوں کے بارے میں حضرت علی کو پتہ چلا کہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازیبا باتیں کہہ رہے ہیں تو حضرت علیؓ نے ان کو سو، سو کوڑے لگوائے۔ ویسے بھی حضرت عائشہؓ والدہ تھیں، حضرت علیؓ بیٹے تھے، تو ان کو ماں بیٹا کے تناظر میں ہی دیکھنا چاہیے۔

تو یہ سب باتیں بتا رہی ہیں کہ جو لڑائی ہوئی تھی غلط فہمی کی وجہ سے اور سازشیوں کی شرارت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ سے فرمایا تھا کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا، کاش کہ میں آج سے بیس سال پہلے فوت ہو چکا ہوتا۔ دوسری طرف حضرت عائشہ بھی فرماتی تھیں کہ میرا اِرادہ تو یہ تھا کہ میں مومنوں کی ماں ہوں، میری موجودگی لوگوں کو اختلافات سے روک دے گی، مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ لڑ پڑیں گے اور میری کوئی ایک نہیں سنے گا، ورنہ میں یہاں نہ آتی۔ حضرت زبیر بھی جنگ سے اِس لیے چلے گئے تھے کہ (جنگ کی خاطر تو وہ آئے ہی نہیں تھے۔) اُنھوں نے جب جنگ کے

آثار دیکھے تو کہنے لگے: سبحان اللہ! میرا خیال نہیں تھا کہ ہم جس کام لیے آئے تھے وہ لڑائی ہوگی، لہٰذا وہ وہاں سے تشریف لے گئے۔ بہرحال یہ اس جنگ کا مختصر قصہ ہے۔

سوال: اس جنگ کے بارے میں جمہور اہل سنت کی رائے کیا ہے؟ جواب: جمہور کی رائے یہ ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ راشد تھے اور وہ معروضی حالات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ اس وقت باغی بہت پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی جڑیں بہت پھیلی ہوئی ہیں، ان کو چھیڑنا زیادہ خطرے کا باعث ہوگا۔ جیسا کہ ایک آدمی جو بصرہ کی لڑائی میں بچ کر چلا گیا تھا تو پانچ ہزار آدمی اس نے مقابلے میں کھڑے کر دیئے تھے۔ تو حضرت علیؓ کی رائے درست تھی، جو ان کے مدمقابل حضرات تھے اُن سے اجتہادی خطا ہوگئی۔ لیکن اجتہادی خطا نہ گناہ ہے، نہ فسق ہے، بلکہ ایک عذر ہے، اور اس پر بھی نیکی ملتی ہے۔ لہٰذا اِجتہادی خطا کی وجہ سے اِن میں سے کسی کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا یا کسی کو ملامت کرنا یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

اگلا سوال ہے کہ: جنگ صفین کیوں پیش آئی؟ جواب: اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ ایک طرف اِس بات کا جذبہ تھا کہ اسلامی حکومت اور خلافت کا استحکام ہو۔ اور دوسری طرف اس بات کا جذبہ تھا کہ اسلامی حکومت اور خلافت کا ایک وقار ہے اور اس کا ایک مقام ہے، مسلمانوں کا خلیفہ شہید ہوا ہے، اس کا انتقام سب سے مقدم چیز ہے، وہ لینا چاہئے، تاکہ آئندہ باغیوں کو ایسی کسی شرارت کا موقع نہ ملے۔ تو یہ دو جذبات تھے: ایک طرف استحکام کا خیال کہ مسلمانوں کو ایک کرنا اور ان کو، ان کی حکومت کو مضبوط کرنا یہ مقدم ہے اور دوسری طرف یہ رائے کہ مسلمانوں کا ایک خلیفہ مارا گیا ہے اس خلیفہ کا بدلہ لینا اور اس کے مجرموں کو سزا دینا یہ بات مقدم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ سازشیوں نے صحابہ کرامؓ سے اعتماد اٹھانے کی کوشش کی ہے اور صحابہ کرامؓ کی دینی حیثیت بہت بری طرح مجروح ہورہی ہے، اور اس پر پورے دین کا مدار ہے، لہٰذا اس کو برقرار اور باقی رکھنا اور اس کو قائم کرنا یہ سب سے پہلی ترجیح ہے، صحابہ کرامؓ پر لوگوں کو اعتماد ہوجائے، بداعتمادی کا خاتمہ ہوجائے، اُمت میں وحدت ہوجائے، خلافت مستحکم ہوجائے تو پھر ہم ان سے بدلہ بھی لے سکتے ہیں۔ جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خلیفہ وقت کا قتل کوئی معمولی چیز نہیں ہے، لہٰذا ان کا قصاص پہلے لیا جائے۔ اس کے بعد ہم حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ حضرت معاویہؓ خود ہرگز خلیفہ نہیں بننا چاہتے تھے، خود ان کا ارشاد ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: حضرت علی کو میں اپنے سے افضل سمجھتا ہوں بلکہ وہ اپنے زمانے میں حضرت علی کو سب سے افضل سمجھتے تھے اور خلافت کا اول مستحق انہی کو سمجھتے تھے۔ اسی طرح وہ فرماتے تھے کہ حضرت علیؓ باغیوں سے حضرت عثمان کا بدلہ اور قصاص لے لیں تو میں ان کا تابعدار رہوں، اگر خود نہیں لیتے تو ان کو ہمارے حوالے کریں پھر ہم ان سے قصاص لے لیں۔ حضرت علیؓ

کے سامنے ملک کی وحدت اور قیامِ عدالت دونوں چیزیں تھیں، باغی لوگ جو صلح بھی نہیں ہونے دے رہے تھے، اور صلح کے درمیان انہوں نے اتنی بڑی جنگ برپا کردی تھی، اگر مختلف علاقوں سے اُن باغیوں کو پکڑنا شروع کردیا جاتا تو کتنا بڑا طوفان کھڑا کرتے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علی نہیں چاہتے تھے کہ خلافت کے استحکام سے پہلے اپنی قوت کسی اور کام پر صرف کریں۔ بہرحال دونوں کے درمیان کچھ لوگوں نے سفارت کا کام بھی انجام دیا، بعض صحابہ کرام بھی دونوں طرف کے پیغامات لے کر آتے جاتے رہے، جب بات نہ بنی تو پھر حضرت علیؓ لشکر لے کر تشریف لے گئے کہ یہ لوگ خلافت کے استحکام میں ایک بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، پہلے یہ مجھے خلیفہ تو تسلیم کریں، میرے ہاتھ پر بیعت کریں، پھر مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ خلیفہ کے طور پر بیعت کی نہیں اور مطالبہ ایک چیز کا کر رہے ہیں۔ جبکہ حضرت امیر معاویہ کی رائے یہ تھی کہ مطالبہ بیعت کے بغیر بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ ہم لوگ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتے دار ہیں تو ہم بحیثیت رشتے دار مطالبہ کر رہے ہیں۔ بہرحال صفین کے مقام پر یہ لڑائی ہوئی اور کئی روز جاری رہی، ہزاروں لوگ اس لڑائی میں شہید ہوئے، اس لڑائی کی کچھ باتیں آگے آرہی ہیں۔ بالآخر انہوں نے یہ طے کیا کہ فی الحال جنگ بندی کرتے ہیں، اپنی اپنی طرف سے کوئی نمائندہ مقرر کرتے ہیں جو کچھ عرصہ بعد مل بیٹھ کر سوچ بچار کر کے کچھ بات طے کریں گے، تو اس طرح انہوں نے کچھ حضرات کو مقرر کیا جو بعد میں مل بیٹھ کر بات طے کریں گے۔

اب یہاں بھی جمہور حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت معاویہ اور اہل شام جو تھے وہ بالکل مخلص تھے، دیانت دار تھے اور دین کے ایک حکم کی خاطر، خلیفہ وقت کی شہادت کی وجہ سے اس کے انتقام کے لیے انہوں نے ایک مطالبہ کیا تھا اور اس میں ان کی ایک اجتہادی رائے تھی اور ان سے اجتہادی رائے میں خطا ہوگئی۔ حضرت علیؓ کا جو موقف تھا وہ اُس وقت اور صورتِ حال کے لحاظ سے درست تھا اور پھر جب یہ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات پوری طرح واضح ہو کر سامنے آئے جو اس لڑائی سے پہلے اس طرح واضح نہیں تھے۔ تو ان سے بھی حضرت علیؓ کی تائید ہوئی۔

سوال: حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا قصاص کیوں نہیں لیا!؟ جواب: [۱] پہلی بات تو وہی ہے کہ باغیوں نے جو سازش کی تھی، اس میں پوری مملکت میں ایسی باتیں پھیلا دی تھیں کہ لوگوں کا صحابہ کرامؓ سے اعتماد اُٹھ رہا تھا تو حضرت علیؓ سمجھتے تھے کہ صحابہ پر سارے اسلام کی بنیاد ہے، وہ اعتماد بحال کرنا مقدم ہے، ایک بات۔ [۲] دوسری بات یہ کہ ہر جگہ باغی تھے اور امت میں وحدت نہیں تھی، خلافت میں استحکام نہیں تھا تو حضرت علی سمجھتے تھے کہ خلافت کو مستحکم کرنا اور قوت جمع کرنا ضروری ہے تاکہ پھر پوری قوت سے باغیوں کو کچلا جاسکے اور وہ مزید فساد نہ برپا کرسکیں۔ [۳] تیسری بات یہ تھی کہ: قصاص ورثاء کا حق تھا تو

حضرت علیؓ یہ سمجھتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ میں قصاص لے لوں اور ورثاء معاف کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ شریعت بھی کہتی ہے کہ جب ورثاء معاف کر دیں تو پھر کوئی قصاص نہیں لے سکتا۔ [۴] چوتھی بات یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے اصل قاتل جنہوں نے ان پر حملہ کیا تھا وہ چار، پانچ لوگ تھے، تو ان میں سے کچھ تو وہیں موقع پر مارے گئے تھے، حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے ان کو وہاں مار دیا تھا اور پھر وہ غلام بھی وہیں شہید ہو گئے تھے۔ اور باقی جو تھے وہ دُور دراز علاقے میں فرار ہو گئے تھے، ان کا کوئی نام ونشان ہی نہیں تھا۔ باقی جو سازشی لوگ تھے، مدینہ میں آئے تھے، ظاہر بات ہے کہ وہ سارے براہِ راست قتل میں ملوث نہیں تھے، وہ آئے تو تھے کہ حضرت عثمان کو معزول کیا جائے۔ اور عثمان کی شہادت کے بعد وہ لوگ ہتھیار بھی ڈال چکے تھے۔ اور حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ ہتھیار ڈال چکے ہیں، اب ان کو قتل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اِس سے پہلے ایسی کوئی صورتِ حال سامنے نہیں آئی تھی، اِس لیے ایسی صورت کا کوئی شرعی نمونہ اور شرعی حکم سامنے نہیں تھا، اجتہاد سے ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا، حضرت علیؓ اس بارے میں غور وفکر کرتے رہے، دوسرے حضرات بہت زیادہ مطالبہ کرتے رہے اور کوشش کرتے رہے کہ آپ ان کو قتل کریں، ان سارے سازشیوں کو قتل کریں۔ لیکن حضرت علیؓ کی اجتہادی رائے یہ تھی جب یہ ہتھیار ڈال چکے ہیں، براہِ راست قتل میں یہ ملوث نہیں ہیں تو شرعی طور پر ان کا قتل کرنا مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔ پھر حضرت علیؓ کی رائے درست ثابت ہوئی، اور بعد میں پوری امت نے اس پر اتفاق کیا کہ شر وفساد پھیلانے والے اگر براہِ راست قتل میں ملوث نہ ہوں اور ہتھیار ڈال دیں اور اصلاح کر لیں تو پھر ان کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بات اجتہاد کی تھی، حضرت علی کا بھی اجتہاد تھا، حضرت امیر معاویہ کا بھی اجتہاد تھا، تو جو اجتہادی مسئلہ ہوتا ہے وہ تو وہی ہوتا ہے جو غیر واضح ہو اور پھر اس کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا۔ تو حضرت علیؓ کے اجتہاد کو دنیا میں ہی کیسے درست قرار دے دیا گیا کہ حضرت علی کا اجتہاد ٹھیک تھا اور دوسرے حضرات سے اجتہادی خطا ہو گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث ایسی ہیں جو اِس واقعہ اور لڑائی سے پہلے پوری طرح واضح نہیں تھیں، ان حالات و واقعات کے بعد پوری طرح واضح ہو کر سامنے آئیں، تو اُن سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی کا اجتہاد درست تھا۔ [۱] پہلی حدیث ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو لوگ خارجیوں کے ساتھ جنگ کریں گے، جن سے اللہ تعالیٰ خوارج کے قلع قمع کا کام لیں گے، وہ (امت کے) دوسرے لوگوں کے مقابلے میں برحق ہوں گے۔ اور خارجیوں کے ساتھ نہروان کے موقع پر حضرت علیؓ نے جنگ کی تھی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اہل شام کے مقابل میں حضرت علیؓ برحق تھے۔ [۲] دوسری حدیث جو ہم جمعہ میں پڑھتے سنتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: **اقضاھم علی** کہ قضاء کے معاملات کو سمجھنے میں حضرت علیؓ سب سے فائق ہیں، تو اس معاملے میں بھی حضرت علیؓ کے اجتہاد کو فوقیت ہوئی۔ [۳] تیسری جو بہت اہم حدیث ہے وہ حدیث فئہ باغیہ والی ہے کہ ایک صحابیؓ تھے حضرت عمارؓ جو حضرت علیؓ کے طرف دار تھے، ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی سے فرمایا ہوا تھا کہ: عمار! تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔ اِسی صفین کی لڑائی میں وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے، تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت علی کا اجتہاد درست تھا اور دوسرے حضرات سے اجتہادی خطا ہوگئی تھی۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں تو ''باغی'' کے الفاظ ہیں تو کیا صحابیؓ باغی ہوسکتا ہے؟ جواب اِس کا یہ ہے کہ جو حقیقتاً باغی ہوتا ہے وہ فاسق ہوتا ہے اور پوری امت کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں جو باغی کہا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ حدیث میں جس بغاوت کا تذکرہ ہے، وہ صورتاً بغاوت ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک آدمی مارا گیا، مارنے کا ارادہ تو نہیں تھا، اَب وہ صورتاً گناہ ہے، حقیقتاً نہیں۔ تو اسی طرح حضرت امیر معاویہ کا جو اجتہاد تھا، اجتہادی خطا تھی جو صورتاً بغاوت بن گئی، حقیقتاً وہ بغاوت نہیں تھی، ان کو حقیقی باغی نہیں کہا جاسکتا۔ تو یہ کچھ روایات تھیں جن کی روشنی میں حضرت علیؓ کے اجتہاد کو جمہور اُمت نے درست قرار دیا ہے۔

اب یہ سوال ہوا کہ بھائی! اس کی کیا دلیل ہے کہ صورتاً بغاوت ہے، حقیقتاً بغاوت نہیں۔ جواب:
[۱] پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ خود صحابی ہیں اور جو صحابی ہوتا ہے حقیقی باغی نہیں ہوسکتا۔
[۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے دونوں طرف کے حضرات کے جنازے پڑھے، اگر وہ حقیقتاً باغی ہوتے تو کبھی حضرت علیؓ ان کے جنازے نہ پڑھاتے۔ [۳] تیسری بات یہ ہے کہ حضرت عمار کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ لڑائی دو مومن جماعتوں کے درمیان ہورہی ہوگی، تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کو مومن قرار دیا تھا جس سے معلوم ہو کہ دونوں مومن لوگ تھے۔ [۴] اور ایک اور حدیث ہے جو اس بات کی چوتھی دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا تو یہی دو جماعتیں تھیں جن کے درمیان بعد میں صلح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عظیم جماعت قرار دیا تو جو باغی ہوتے ہیں وہ عظیم تو نہیں ہوتے۔
[۵] پانچویں بات: سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مسلمانوں کو فرمایا کہ اگر علی کو تم خلیفہ بناؤ گے تو تم ہادی اور مہدی پاؤ گے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے

بارے میں دعا فرمائی کے اے اللہ! تو معاویہ کو ہادی ومہدی بنادے، تو دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہادی ومہدی فرمایا ہوا ہے تو جو ہادی اور مہدی ہوتے ہیں بھلا حقیقتاً باغی ہوسکتے ہیں؟[۶] اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں نہ یہ کافر ہیں، نہ یہ فاسق ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مشرک ہیں؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ شرک سے تو یہ فرار اختیار کیے ہوئے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ کیا یہ منافق تھے؟ انہوں کہا کہ نہیں! منافق تو اللہ کو اتنا یاد نہیں کرتے جتنا یہ یاد کرتے تھے۔ تو انہوں کہا کہ پھر ان کا حکم کیا ہوگا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بس بھائی ہیں ہمارے، انہوں نے ہمارے اوپر چڑھائی کردی۔[۷] ساتویں دلیل یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو قیدی وغلام نہیں بنایا، ان کے مال کو مال غنیمت نہیں بنایا، بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کیا، تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ باغی نہیں تھے اگر باغی ہوتے یہ سارے کام بھی ہوتے۔[۸] آٹھویں دلیل یہ ہے کہ دونوں حضرات کے درمیان کچھ صحابہ جو سفارتی اُمور انجام دے رہے تھے، بعد میں وہ غیر جانب دار ہوگئے تھے، اگر یہ معاملہ اجتہادی نہ ہوتا حق اور باطل کا ہوتا تو وہ صحابہ ضرور حق کا ساتھ دیتے اور باطل کی مخالفت کرتے، تو اس بھی پتہ چلا کہ اجتہادی معاملہ تھا، اور اجتہادی معاملے والے حقیقی باغی نہیں ہوسکتے۔[۹] نویں دلیل یہ ہے کہ دونوں طرف صحابہ کی بڑی تعداد تھی، اگر ہم کہیں کہ اہل شام حقیقی باغی تھے تو وہ سارے صحابہ نعوذ باللہ حقیقی باغی ہوئے، پھر اُس زمانے میں آدھا دین تو چلا گیا آدھے صحابہ کو تو نعوذ باللہ ہم نے باغی قرار دے دیا۔[۱۰] اور دسویں دلیل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر معاویہ کو قیامت کے دن اِس طرح اُٹھائیں گے کہ اُن پر نورِ ایمان کی ایک چادر ہوگی تو کیا باغیوں پر نورِ ایمان کی چادر ہوا کرتی ہے؟

تو یہ سارے دلائل اس بات کے ہیں کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے وہ ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے، اپنی جگہ ہے، لیکن وہ بغاوت صورتاً ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اجتہادی خطا ہوگئی جو نہ گناہ ہے، نہ فسق ہے، نہ جرم ہے، صرف ایک عذر ہے اور اس پر بھی نیکی ہی ملتی ہے۔

اگلا سوال یہ ہے کہ قرآن پاک میں تو آتا ہے کہ صحابہ کرام آپس میں **رُحَمَآءُ بَیْنَھُم** ہیں، تو جو **رُحَمَآءُ بَیْنَھُم** ہوتے ہیں، آپس میں رحم دل ہوتے ہیں، بھلا ان کے درمیان لڑائیاں ہوتی ہیں؟ ان کے درمیان جنگیں ہوتی ہیں؟ اگر وہ **رُحَمَآءُ بَیْنَھُم** ہیں تو پھر جنگیں کیوں ہیں؟ اگر جنگیں ہیں تو پھر **رُحَمَآءُ بَیْنَھُم** کیسے ہوئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ [۱]- جب یہ جنگیں ہوئیں اس وقت ان جنگوں میں جو لوگ تھے، ان میں تقریباً پندرہ فیصد صحابہ کرامؓ تھے، باقی سارے جو تھے وہ صحابہ نہیں تھے، وہ غیر صحابہ تھے، تو یوں کہہ لیں کہ وہ جنگیں معروف تو صحابہ کے نام سے ہیں لیکن اس جنگ کا جو سبب بنے اور اس جنگ میں جو زیادہ

تر لوگ شریک ہوئے اور اس جنگ میں جن کی وجہ سے زیادہ مسائل پیدا ہوئے وہ تو ظاہر بات ہے صحابہ نہیں تھے۔ [۲] - دوسری بات یہ ہے کہ اگر غلط فہمی کی وجہ سے لڑائی کی نوبت آجائے تو یہ رحم دلی کے خلاف نہیں ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں بھائی تھے، آپس میں رحم دل تھے، **رُحَمَآءُ بَيْنَهُم** تھے، لیکن ان کے درمیان بھی ایسا اختلاف ہوا کہ بھائی کی داڑھی پکڑنے کی نوبت آگئی۔ تو صحابہ کی یہ لڑائیاں بھی چونکہ غلط فہمی کی وجہ سے تھیں، دیانت دارنہ علمی اختلاف تھا، اجتہادی اختلاف تھا، انتظامی اختلاف تھا، کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر، فاسق، یا منافق قرار دیا گیا ہو تو یہ رحم دلی کے خلاف نہیں ہے۔ [۳] - اور تیسری بات کہ عین لڑائی کے دوران بھی رحم دلی کے کیسے کیسے مناظر سامنے آئے کہ آسمان حیران ہو گیا ہوگا، ۱: ایک جگہ پر پانی تھا وہاں حضرت معاویہؓ کے لوگ تھے تو جب حضرت علیؓ کے لوگ وہاں پانی لینے کے لیے آئے تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ ہمارے بھائیوں کے لیے پانی لینے کا راستہ چھوڑ دو! اَب جنگ میں بھلا کوئی فریق دوسرے کو پانی لینے کی اجازت دیتا ہے؟ ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ ہم پانی پر قبضہ کر لیں۔ ۲: پھر حضرت علیؓ نے اپنے لشکر والوں کو کھلی اجازت دی ہوئی تھی کہ جب نماز کا وقت ہو تو حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر کے جو لوگ نماز پڑھا رہے ہوں ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں، تو ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھنا یہ بھی رحم دلی کی ہی علامت تھی۔ ۳: تیسری بات جب یہ اختلافات چل رہے تھے، ان دونوں حضرات کا اختلاف تھا تو روم کا جو تھا قیصر اس نے حضرت معاویہ کو خط لکھا اور کہا کہ حضرت علیؓ کے خلاف میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں، تو حضرت معاویہؓ نے اس کو بہت سخت جواب دیا اور فرمایا کہ تیری وہ آنکھ جو حضرت علیؓ کے خلاف اٹھے گی پھوڑ دی جائے گی اور تیرا ہاتھ جو حضرت علیؓ کے خلاف اٹھے گا وہ توڑ دیا جائے گا۔ اب یہ رحم دلی ہی تھی۔ ۴: پھر ایک دوسرے کے جنازے پڑھنا، ایک دوسرے کے لیے مغفرت کے لیے دعائیں کرنا تو یہ سب رحم دلی ہی کی علامات ہیں۔ ۵: اسی طرح ایک دن لڑائی ہو رہی تھی تو رات کافی دیر ہو گئی، لڑائی ہو رہی ہے، ہو رہی ہے تو حضرت علیؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو پیغام بھیجا کہ مقتولین کافی ہو گئے ہیں، میرا خیال ہے کہ اَب ان کے کفن دفن کا انتظام کرنا چاہیئے تو انہوں نے فوراً ہاتھ روک دیئے، انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، پھر مل کر کفن دفن کا انتظام کیا۔ [۴] - حضرت عمرو بن عاصؓ جو حضرت معاویہؓ کے طرف سے لشکر کے سپہ سالار تھے، انہوں نے بھی ایک موقع پر فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمارؓ سے بہت محبت تھی، حالانکہ حضرت عمارؓ انہی لوگوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے، کیوں کہ وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے، لیکن واضح اقرار واعتراف فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمارؓ سے بڑی محبت تھی۔ تو یہ رحم دلی کی ہی علامت تھی۔ [۵] - اور بعد میں جب حضرت علی کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو اور حضرت معاویہ کو معلوم

ہو تو انہوں نے فرمایا کہ: آج علم و فضل اور خیر کا بڑا سرمایہ چلا گیا۔ بھلا بتائیے کہ یہ سب باتیں اس رحم دلی کی علامت نہیں ہیں جو قرآن نے کہا ہے کہ **رُحَمَآءُ بَيْنَهُم** تھے؟[٦]- پھر بعد میں جنگ بندی ہوگئی پھر بعد میں جب صلح ہوئی اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ بنے، انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کرلی اور وہ خلافت ان کے حوالے کردی تو یہ صلح بھی تو اُسی رحم دلی کا نمونہ ہے۔ مشاجراتِ صحابہؓ کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی صلح ہوگئی یعنی ان کے بیٹے نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرلی تو صلح ہوگئی، اب خلافت ایک بن گئی تو صلح کے بعد لڑائی کا تذکرہ کرنا اور صلح کا تذکرہ نہ کرنا یہ شرارت ہے۔

اب ایک دو سوال رہ گئے، پہلا سوال یہ کہ کیا حضرت علیؓ نا کام حکمران تھے؟ تو جواب یہ ہے کہ: نہیں! ہر لحاظ سے کامیاب حکمران تھے۔ حکمران کی اصل کامیابی یہ ہوتی ہے کہ وہ شریعت اور قانون کا پابند رہے، حضرت علیؓ کے سامنے صرف حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ نہیں تھا، پوری شریعت کی پیروی اور خلافت راشدہ کا ایک طرز چلا آرہا تھا اس کو باقی رکھنے کا مسئلہ تھا اور اس میں وہ پوری طرح کامیاب رہے، انہوں نے اپنے تمام علاقے میں امن بھی قائم رکھا اور شریعت کو بھی نافذ رکھا۔

سوال: جو لوگ حضرت عثمانؓ کے براہِ راست قاتل تھے، کچھ تو وہیں موقع پر مارے گئے، باقی جو فرار ہوئے اُن کا کیا ہوا؟ تو جواب یہ کہ وہ ایک غار میں چھپے ہوئے تھے، ایک دن ایک آدمی کا گدھا اچانک بھاگ کر اس غار میں چلا گیا، یا اونٹ گیا ہوگا، جو بھی جانور تھا، وہ اس کو تلاش کرنے گیا تو اندر وہ لوگ اس کو نظر آگئے، اس طرح وہ لوگ پکڑے گئے اور پھر حضرت معاویہؓ نے ان کو قتل کردیا۔

آخری سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ کا دورِ حکومت آیا تو پھر سارے علاقوں میں انہی کی حکومت ہوگئی، ان کے ہاتھ پر جب صلح ہوگئی، حضرت حسنؓ نے ان کی بیعت کرلی تو پھر کیا انہوں نے باقی سارے سازشیوں کو بھی قتل کیا؟ جواب یہ ہے کہ: نہیں! کیونکہ بعد میں اُن کی رائے بھی وہی ہوگئی تھی جو پہلے حضرت علیؓ کی رائے تھی کہ جو لوگ ہتھیار ڈال دیں اور براہِ راست کسی کے قتل میں ملوث نہ ہوں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

یاد رکھیے! سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں آپس میں بھی بھائی تھے، مومن آپس میں بھائی ہوتے ہیں۔ اور دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی بھائی تھے: حضرت علی حضور کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت معاویہ حضور کے نسبتی بھائی تھے جس کو برادرِ نسبتی کہتے ہیں یعنی حضور کی اہلیہ کے بھائی تھے۔ تو دونوں حضرات آپس میں بھی بھائی تھے، دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی بھائی تھے۔ لہٰذا انھیں بھائیوں کے طور پر ہی دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ

☆☆☆☆

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد                                                                 مجلس:۱۱

# المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

18 ردسمبر 2013ء......۱۵رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ

## غسل وتکفین کی عملی مشق:

بخاری شریف کی ''کتاب الجنائز'' سے عبارت پڑھی گئی۔ غسل اور تکفین وتدفین کی بات چلی، تو حضرت نے حضرۃ الاستاذ مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا رسالہ ''احکام الجنائز'' طلب فرمایا: غسل کے لوازمات وطریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جب حضرت شاہ صاحب کے بیٹے سید انیس الحسینی صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو اس موقع پر الحمد للہ استاذ محترم مولانا نعیم الدین صاحب کے ہمراہ غسل دینے کی عملی تربیت بھی ہوئی۔ امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے غسل کے وقت بھی میں نے اللہ کی توفیق سے ان باتوں کا اہتمام کیا۔ الحمد للہ۔ امام اہل سنت تھے تو غسل بھی سنت کے مطابق ہوا۔ [حضرت اقدس سید نفیس الحسینی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ کے غسل میں بھی حضرت شریک تھے۔ از مرتب]

## شیطان بڑا ظالم ہے

اغلام کے فعل بد کے حوالے سے کسی بزرگ کا قول نقل فرمایا:

''شیطان بڑا ظالم ہے صورت سے پاخانہ کی جگہ لے جاتا ہے۔''

## دنیا دار الفرار ہے

فرمایا: دنیا دار القرار نہیں دار الفرار ہے۔

فرمایا: اپنے اعمال کا محاسبہ کریں نیت کا رخ صحیح ہو۔ میرے حضرت فرمانے لگے: اگر سونے میں عبادت کی نیت کرلیں گے تو سونا بھی سونا بن جائے گا۔

فرمایا: طلبہ کا کام تو فرش پر نہیں عرش پر ہے۔

## انبیاء علیہم السلام کی قبروں کی تعیین

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا تذکرہ آیا کہ جب بنی اسرائیل وادی تیہ میں تھے اس وقت انتقال ہوا۔

فرمایا: اللہ کو جیل کے لیے دیواروں کی ضرورت نہیں، اللہ نے دماغ گھما دیا۔ چالیس سال تک بنی اسرائیل اسی میدان (وادی تیہ) میں گھومتے رہے۔ جہاد سے انکار کیا تو چالیس سال بھٹکتے رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے بارے میں یا دیگر انبیاء کی قبروں کے بارے میں تخمینے ہیں حتمی تعیین نہیں، اندازے ہیں، حتمی تعیین صرف اللہ کے آخری نبی ﷺ کی قبر مبارک کی ہے تاکہ دیوانے زیارت کرتے رہیں اور در اقدس پر حاضر ہو کر درود پاک پڑھتے رہیں۔

قبر کو نیند سے سمجھو

فرمایا: قبر کی زندگی کو اس مادی زندگی پر قیاس نہیں کرنا بلکہ اسے اگر قیاس کرنا ہے تو خواب پر قیاس کرنا ہے۔ خواب میں جب آپ رات کو بستر میں لیٹ جاتے ہیں تو یہ بھی ایک ڈیڑھ بالشت کی قبر بن جاتی ہے۔ ایک قبرستان یہاں مسجد میں بھی رات کو آباد ہوتا ہے۔ گویا ہر روز رات کو قبر کا نمونہ دکھایا جاتا ہے۔ بستر میں آنکھ بند ہوئی اور دوسرا جہان کھل گیا۔ وہ جہاں اتنا بڑا ہے کہ ساتوں زمین آسمان اس کے ایک کونے میں سما جائیں۔

فرمایا: ایک ساتھی کہنے لگے: خواب میں دیکھا کہ ایک سانپ ہے جو تقریباً ایک ایکڑ میں ہے، گھبرا کر اٹھا، دیکھا کہ عصر کی نماز فوت ہونے والی تھی۔ ترک نماز کے گناہ کی صورت اللہ نے خواب میں دکھا دی۔

فرمایا: ہمارے والد صاحب نماز کے بڑے پابند تھے، فجر کی اذان سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ نفل پڑھتے اور پھر بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے۔

دورہ حدیث تو دل بدلنے کا سال ہے

فرمایا: دورہ تو دل کو بدلنے کا سال ہے، دورے میں دل نہ بدلا تو کب بدلے گا؟

فرمایا: اصل چیز اوپر کا امتحان اور قبولیت ہے، اللہ معاف کرے یہاں امتحان کے دنوں کی بات ہے، ایک دفعہ بیت الخلاء میں دیکھا تو منطق کی کوئی کتاب (کسی نے وہاں رکھی ہوئی) تھی، (میں نے دیکھا تو وہاں سے) اُٹھا کر لایا۔ جب اوپر [یعنی اللہ کی طرف] دھیان نہ ہو تو ایسا ہوتا ہے۔

طلبہ خود سند ہیں

فرمایا: میری بہت سی سندیں ہیں، لیکن مجھے یاد بھی نہیں کہاں رکھی ہیں؟ تین مدرسوں میں پڑھاتا ہوں کسی نے سند نہیں پوچھی۔ آپ طلبہ تو خود سند ہیں، آپ کو سندوں کی کیا ضرورت ہے؟

**روزی کی کیا فکر ہے؟**

فرمایا: دین کے کام میں روزی کی کیا فکر؟ میرے حضرت فرماتے ہیں: روزی کا کیا مسئلہ ہے؟ دس منٹ نکال کر اذان سیکھ لو تو اس سے بھی روٹی کا بندوبست ہو جائے گا۔ روزی کے لیے تو دس منٹ بھی کافی ہیں۔

**دنیا کا سونا کیا کرنا ہے؟**

فرمایا: میں نے اپنی [دوسری] گھر والی سے پوچھا آپ کے لیے سونے کی کوئی چیز بنوا دیں، فرمانے لگی میں نے دنیا کے سونے کا کیا کرنا ہے؟ اللہ نے مجھے قرآن پاک کی دولت عطا کر رکھی ہے۔

**تربیت کی سب کو ضرورت ہے**

فرمایا: تربیت کی سب کو ضرورت ہوتی ہے، صرف عوام کو ہی ضرورت نہیں بلکہ علماء کو بھی اس کی ضرورت ہے، کل پڑھ رہا تھا صوفیاء جو [عام علماء سے مرتبے میں] آگے نکلتے ہیں وہ علم کو اپنا حال بنا لیتے ہیں، وہ صرف پڑھتے نہیں ساتھ پیتے بھی ہیں۔

**کوشش یہی کہ ناغہ نہ ہو**

فرمایا: کوشش کرتا ہوں سبق کا ناغہ نہ ہو، آج اگرچہ دھند تھی لیکن آ گیا۔ ہمارے چوبرجی والے استاد صاحب کا معمول تھا کہ طبیعت سخت سے سخت خراب ہو پھر بھی ناغہ نہیں کرتے تھے۔ آخری درجہ یہ ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر ناغہ نہ ہو۔

**بیداری میں زیارت**

فرمایا: ایک ساتھی تھے ادھر جامعہ مدنیہ میں، ان کو بیداری کی حالت میں ظہر کی نماز میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت ہوئی، ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ اللہ میاں کے لیے کیا مشکل ہے؟ قاری عبدالرشید صاحب کی ہمشیرہ تھی ان کا جب آخری وقت تھا تو تلاوت شروع کروائی خود بھی پڑھنے لگی۔ پھر ایک دم کہا وہ میرے بھائی مجھے لینے آ گئے ہیں، یہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔ اللہ میاں کبھی کبھی دکھا بھی دیتے ہیں۔[ؔ]

**حدیث شریف تو سمندر ہے**

فرمایا: بھائی حدیث شریف تو سمندر ہے بس کیا کروں وہاں کچھ اور مطالعہ کرتا ہوں اور یہاں آ کر نیا مطالعہ شروع ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

---

ؔ: اس کی حقیقت بقول محققین یہ ہوتی ہے کہ کوئی لطیفہ متعلقہ شخصیت کی صورت متمثل ہو جاتا ہے اس سے کسی ذات کے ایک وقت میں متعدد جگہ ہونے کا اشکال لازم نہیں آتا۔ مرتب

ابن امام اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر

# ضلالت کی راہ میں کوہِ گراں

قدرت کا یہ ایک دائمی اور فطری قانون ہے کہ جب سے انسانیت کا وجود معرض وجود میں آیا ہے خیر اور شر کی قوتیں اس وقت سے ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں، اور یہ سلسلہ فرمان نبوی کی روشنی میں قیامت تک جاری رہے گا، یہ تاریخ کی ایک تلخ اور اذیت ناک حقیقت ہے کہ جب کبھی خیر کی قوتوں میں ایمان ویقین کی کمی واقع ہوئی ہے، یا ان میں اخلاق وکردار کا فقدان آیا ہے، تو شر کو خیر پر غالب آنے کا موقع ملتا رہا ہے، یہ شر کبھی کفروشرک کی صورت میں غالب آیا اور کبھی ظلم وعدوان کی شکل میں اسے غلبہ ملا، لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب خیر کی قوتیں اپنے حقوق وفرائض سے غافل نہیں رہیں اور انہوں نے جرأت و عزیمت کا راستہ ترک نہیں کیا تو خیر کو شر پر غالب آنے سے کوئی نہیں روک سکا، خیر اور شر کی یہ کشمکش ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔

**امام اہل سنت رحمہ اللہ کا ایمان افروز مقولہ:**

ہمارے والد محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمانوں کو کبھی بھی ان کے دشمنوں کی خوبیوں نے نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ مسلمان ہمیشہ اپنی خامیوں اور کمزوریوں کی بنا پر ہی نقصان سے دوچار ہوئے، خواہ ان کی وہ خامیاں اور کمزوریاں......شعوری تھیں یا غیر شعوری؟...... اندرونی تھیں یا بیرونی؟...... انفرادی تھیں یا اجتماعی؟...... مسلمانوں کے نقصان اور ناکامی کا باعث بہر حال وہی خامیاں اور کمزوریاں بنیں، دشمن کبھی بھی اپنی خوبیوں کی بنیاد پر ان پہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا، تاریخ کے اوراق میں اس قسم کے بے شمار واقعات کا تذکرہ ملتا ہے، جو ہمارے ماضی کا ایک عبرتناک حصہ ہے۔

**شاہراہ ضلالت پر ہدایت کی چیک پوسٹیں:**

بدقسمتی سے یہ بھی ہماری تاریخ کا ایک شرمناک باب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے امت مسلمہ کے اندر فتنوں کا ظہور ہوتا رہا، لیکن ایک حق پرست جماعت ہر دور میں ان فتنوں کا مقابلہ کرتی رہی، خیر اور شر کی اس کشمکش سے تقریباً کوئی زمانہ خالی نہیں رہا، شیطان نے انسان کی ضلالت کے لیے...... بے شمار شاہراہیں تعمیر کیں...... ان گنت جی.ٹی روڈ بنائے...... لاتعداد موٹروے تیار کیے...... بڑے بڑے ''سی پیک'' منصوبے بنائے......لیکن فطرت اور قدرت کے قانون کے مطابق ضلالت وگمراہی کی ہر شاہراہ پر، ہر جی.ٹی روڈ اور موٹروے پر ہدایت وراستی کی ایک ایسی ''چیک پوسٹ'' موجود رہی اور ایسے ''سپیڈ بریکر''

قائم رہے جن کی وجہ سے ضلالت کی ٹریفک اگر رکی نہیں تو کم از کم اس کی رفتار میں کمی ضرور واقع ہوئی۔

مسلک اہل سنت دیوبند عصر حاضر کا طائفہ منصورہ:

ہمارے دور میں علماء اہل سنت دیوبند کا مجددی، ولی اللّہی اور قاسمی مسلک تقریباً پانچ سو سال سے شاہراہ ضلالت پر ایک مضبوط ''چیک پوسٹ'' کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے، ضلالت و گمراہی کی خلائی ٹریفک ہو یا سمندری؟........ صحرائی ٹریفک ہو یا میدانی؟........ یعنی مواصلاتی اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ سامنے آئے یا پرنٹ میڈیا کے ذریعہ، بحمد اللہ تعالیٰ اس مضبوط ''چیک پوسٹ'' کی وجہ سے اپنی منزل اور اپنے مقاصد تک نہیں پہنچ پا رہی۔ اکبر کے دین الٰہی سے لے کر قادیانیت اور غامدیت تک تمام فتنوں کا انجام امت مسلمہ کے سامنے ہے، مسلک اہل سنت دیوبند کے اس اجماعی فکر اور طرز فکر کو بھی اگرچہ بعض ناعاقبت اندیش افراد نے اندرونی طور پر کھوکھلا کرنے کے لئے دیمک کا خوفناک کردار ادا کیا، لیکن قدرت نے ان کی خودغرضی اور خود فریبی کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا، اور ایسے دشمنان دین کی سازشوں اور کوششوں سے اسلام کو محفوظ رکھنے کے لئے ہر دور میں چند شخصیات کا وجود برقرار رکھا، جنہوں نے حق اور حقیقت کا پورا پورا دفاع کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنوں اور بیگانوں کی مخالفت کا بوجھ اٹھا کر بھی دین حق کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہیں۔

ہمارے ماضی قریب میں میرے ناقص مطالعہ کی روشنی میں پاکستان کے اندر علم و تحقیق کے حوالہ سے جن شخصیات کی مجھے زیارت نصیب ہوئی ان میں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ رئیس التفسیر حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے اسمائے گرامی اس فریضہ کی ''فرنٹ لائن'' پر اور بڑے نمایاں نظر آتے ہیں، ان شخصیات کی یہی خاص خوبی تھی کہ انہوں نے کسی خوف، کسی طمع اور کسی مرعوبیت کی بناء پر حالات سے کبھی ''کمپرومائز'' نہیں کیا، وہ اپنے متواتر اصولوں اور اجماعی افکار پر پوری جرأت و استقامت کے ساتھ قائم رہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت:

امت مسلمہ کی بالعموم اور جماعت اہل سنت دیوبند کی بالخصوص ایسی ہی عظیم شخصیات میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کا نام ہمارے قریبی دور میں سب سے نمایاں نظر آتا ہے، ان کی تدریسی و تقریری صلاحیتوں اور خوبیوں سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں، کیونکہ اس حوالہ سے مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب نہیں ہوا، لیکن تحریر و افتاء کے حوالہ سے میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے، دل کی گہرائیوں سے پڑھا ہے، اور اپنے ناقص فہم و شعور کی وسعتوں سے سمجھا ہے، اور میں اپنے فہم و احساس کے دائرہ میں برملا طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ تحریر و افتاء میں ان کا انداز مشکل اور دقیق ضرور تھا مگر احتیاط و

اعتدال کے حدود سے متجاوز نہیں تھا، میں نے اپنی مختصر زندگی میں تحقیق وافتاء کے حوالہ سے پاکستان کے اندر جن شخصیات کو گہرائی سے پڑھا اور سمجھا ہے ان میں پانچ شخصیات ایسی ہیں جن کو میں اہل سنت، حنفیت اور دیوبندیت میں پختگی کی بنیاد پر مسلکی عروج پر دیکھتا ہوں، جن کے اندر ان تینوں حوالوں سے کوئی لچک نہیں تھی اور وہ اس حوالہ سے غیر متزلزل فکر کے وکیل وترجمان تھے، ان میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کے نام سب سے نمایاں ہیں، یہ وہ حضرات ہیں جن کی تحقیق میں خودغرضی، شہرت پرستی، مرعوبیت اور سماجی مصلحت پرستی کا دور دور تک کہیں نشان نہیں ملتا، اور یہ صرف وہ شخصیات ہیں جن کی زیارت کا اور جن کی تحقیق کو قریب سے دیکھنے کا مجھے موقع ملا ہے، ان کے علاوہ بے شمار شخصیات ہیں جو اپنے اپنے مقام پر دینی تعلیمات کے دفاع میں اپنے کردار وعمل کے حوالہ سے ایک منفرد مقام رکھتی ہیں، اور ان کی دینی خدمات امت مسلمہ کے لئے قابل تحسین ہی نہیں قابل تقلید بھی ہیں۔

<u>حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ فتنوں کے تعاقب میں:</u>

ہماری بدقسمتی ہے کہ بعض کم فہم اور ناعاقبت اندیش لوگ اسلامی تعلیمات اور دینی تحریکات کا حلیہ بگاڑنے اور انہیں ان کی حقیقت اوران کے مقاصد سے دور کرنے کے لئے پبلک کے اندر میڈیا کے ذریعہ اختراعات اور مفروضات کا انتظام کرتے رہتے ہیں اور تہذیب وفکر کے حوالہ سے نئے سے نئے فتنے جگاتے رہتے ہیں، ہماری تاریخی علمی روایات کی روشنی میں امت کو فتنوں سے بچانے کا سب سے بنیادی ذریعہ فتویٰ ہے، اور اسی ذریعہ سے تمام فتنوں کا راستہ روکا گیا ہے، لیکن بدقسمتی سے آج ہمارے بعض دانشوروں نے فتویٰ کی ضرورت اور اہمیت کو ختم یا کم کرنے کے لئے مہم شروع کر رکھی ہے جو ایک خطرناک اور مہلک کھیل ہے، حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کو بھی ان دانشوروں نے اپنے اس کھیل میں شامل ہونے کی دعوت دی، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر علمی اور روحانی حوالہ سے ایسی بزرگ اور غیور مسلکی شخصیات کا اثر تھا کہ ان دانشوروں کی دانش یہاں اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکی، ان کی خواہش یہی تھی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ حالات سے مرعوب ہوکر ہماری طرح ہدایت کو ہدایت تو تسلیم کریں لیکن ضلالت کو ضلالت قرار نہ دیں، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے دل ودماغ میں ایمان کامل کی یہ تعریف نقش ہوچکی تھی کہ ہدایت کو ہدایت ماننے اور ضلالت کو ضلالت تسلیم نہ کرنے سے ایمان کامل حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے ڈاکٹر حضرت صاحب رحمہ اللہ آخر وقت تک بحمد اللہ تعالیٰ ان دانشوروں کے جھانسہ میں نہیں آئے اور اپنا دینی فریضہ تحقیق وافتاء کی صورت میں پوری جرأت اور استقامت کے ساتھ نبھاتے رہے۔

**فتنہ غامدیت کی فریب کاری اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ:**

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے عصر حاضر کے بے شمار فتنوں کا تعاقب کیا ہے، ان میں معاشی و اقتصادی فتنے بھی ہیں، تہذیبی وثقافتی فتنے بھی ہیں، فکری واعتقادی فتنے بھی ہیں اور اخلاقی وعملی فتنے بھی ہیں، انہوں نے ہر قسم کے فتنوں کی مخالفت کا اوران کے مقابلہ میں اسلام کے دفاع کا پورا پورا حق ادا کیا، ہمارے ہاں فتنوں کے ظہور کے چار بڑے سبب پائے جاتے ہیں...... جہالت...... انانیت...... مرعوبیت...... قومیت پرستی...... ان میں سے عصر حاضر کے اکثر فتنوں کی بنیاد مرعوبیت ہے، اگر ہم تاریخ کا مطالعہ کریں تو اکثر فتنوں کی بنیاد ہمیں یہی مرعوبیت ملے گی، کیونکہ جب انسان کے اپنے اندر علم وفہم کا نور نہیں ہوتا اور وہ اس کی وجہ سے باطل کے دلائل کے سامنے عاجز اور بے بس ہوجاتا ہے تو اسی بے بسی اور مرعوبیت کی وجہ سے وہ اسلام کے عقائد وافکار سے کنارہ کشی اختیار کرلیتا ہے، جن کے اندر ایمان اور روحانیت کا نور نہیں تھا وہ غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی نے جنت ودوزخ کا انکار کردیا، کسی نے برزخ کا انکار کردیا، کسی نے فرشتوں اور جنات کا انکار کردیا، کسی نے دین اسلام کی عالمگیریت کا انکار کردیا، کسی نے جہاد وجزیہ کا انکار کردیا، کسی نے ارتداد اور توہین رسالت کی منصوص سزاؤں سے انکار کردیا، درحقیقت یہ سب ذہنی مرعوبیت کا نتیجہ ہے جس سے بڑے بڑے مسلم دانشور متأثر ہوگئے اور انہوں نے عزیمت واستقامت کی راہ سے علیحدگی اختیار کرلی اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے، جماعت اہل حق کی یہی سب سے بڑی خوبی اور کمال ہے کہ وہ پوری جرأت کے ساتھ اپنے مشن اور اپنے مقصد پر قائم رہتے ہیں اور کوئی مرعوبیت ان کے ایمان وفکر کو متزلزل نہیں کرسکتی، ان کے اندر اکابر واسلاف سے وابستہ تعلق کی بنیاد پر جو روحانیت موجود ہوتی ہے وہی ان کا حوصلہ ہوتی ہے اور وہی ان کا سہارا ہوتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے اندر بھی جو بے شمار علمی وفنی کمالات موجود تھے میں پوری دیانت داری کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ ان کے ان کمالات کا سب سے بڑا ذریعہ ان کے اندر کی وہی روحانیت تھی جو اسلاف کے ساتھ وابستہ تھی اور جسے انہوں نے کبھی ٹوٹنے اور کٹنے نہیں دیا، اسی روحانیت کی بنیاد پر ان کے اندر وہ جرأت اور ہمت موجود تھی کہ وہ بعض مسائل میں تن تنہا ضلالت وگمراہی کے خلاف جہاد میں مصروف رہے، جن فتنوں کا پوری جرأت اور استقامت کے ساتھ انہوں نے مقابلہ کیا ان میں سرفہرست فتنہ غامدیت ہے، اور میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ فتنہ غامدیت وہ فتنہ ہے جسے دور جدید کے تمام فتنوں کی ماں قرار دیا جاسکتا ہے، ماضی قریب میں ہمارے اکابر کے نزدیک سرسید احمد خان کا فتنہ نیچریت تمام فتنوں کی ماں کہلاتا تھا لیکن ان دونوں فتنوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میری ناقص رائے یہی ہے کہ گروہ نیچریت تمام فتنوں کا باپ ہے اور فتنہ غامدیت تمام فتنوں کی ماں ہے، اگر آپ ان دونوں

فتنوں کا شعوری مطالعہ کریں گے تو آپ کو یہ بات واضح طور پر نظر آئے گی کہ دونوں کی بنیاد ایک ہی ہے، اور وہ ہے فہم قرآن۔ سرسید احمد خان نے فہم قرآن کے لئے نیچر کو بنیاد بنایا اور فتنہ غامدیت نے فہم قرآن کے لئے نظم کلام اور ادب جاہلی کی آڑ لے کر ماحول کو بنیاد بنایا، یعنی دونوں کی بنیاد ایک ہی ہے، قرآن کو نیچر کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نتیجہ ماحول کی صورت میں سامنے آتا ہے، اور اگر قرآن کو ماحول کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نتیجہ نیچر کی صورت میں سامنے آتا ہے، یہ دونوں فتنے تمام فتنوں کے مائی رباپ ہیں...... دونوں میں ختم نبوت کا انکار موجود ہے...... دونوں میں حجیتِ حدیث سے انکار موجود ہے...... دونوں میں اسلام کی عالمگیریت کا انکار موجود ہے...... دونوں میں اجماع وتواتر کا انکار موجود ہے...... دونوں میں ادیان سابقہ اور قبل از قرآن کی کتب سماویہ میں ترمیم و تنسیخ کا انکار موجود ہے...... غرضیکہ دونوں فتنے لفظی اور اصطلاحی ہیر پھیر کے ساتھ آپس میں مکمل فکری ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فتنہ غامدیت کا جس علمی اور تحقیقی انداز سے تعاقب کیا اور اجماع و تواتر کی روشنی میں اس کا رد کیا یہ ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر میرے نزدیک حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ان کے سامنے کچھ ایسی قد آور شخصیات بھی آئیں جن سے بعض دوسرے علماء نے مرعوبیت کا شکار ہو کر دامن بچانے کی کوشش کی، نجی مجلسوں میں ان کو شدید طعن وتنقید کا نشانہ بنایا لیکن اعلانیہ طور پر ان کے فکر و طرز فکر پر تنقید کی جسارت نہ کر سکے، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کسی شخصیت کا علمی قد کاٹھ نہیں دیکھا بلکہ امت مسلمہ کے فکر وعقیدہ کو بچانے کی طرف توجہ دی، اور میں ذاتی طور پر اس لئے بھی حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو اپنا محسن مانتا ہوں کہ انہوں نے فتنہ غامدیت کا تعاقب اس وقت کیا جب اس کا ''ذیلی ہیڈ کواٹر'' خاندان صفدریہ کے حوالہ سے متعارف ہو رہا تھا اور پورے ملک کے علماء اس نسبت کے احترام میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے تھے، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے کسی مخالفت یا کسی مزاحمت کی پرواہ کئے بغیر اپنا دینی فریضہ نبھایا اور جناب امین احسن اصلاحی، جناب جاوید احمد غامدی اور حافظ عمار خان ناصر کے اجماع وتواتر سے ہٹے ہوئے نظریات کا اسی طرح تعاقب کیا جس طرح ہمارے اسلاف نے قادیانیت کا، پرویزیت کا، نیچریت کا اور مودودیت کا تعاقب کیا، اور اگر اس راستہ میں خاندان صفدریہ کی کوئی قد آور شخصیت ان کے اس فکر کی راہ میں رکاوٹ بنی تو اُنہوں نے کسی علمیت، کسی منصب اور کسی نسبت کی پرواہ کئے بغیر اس کا رد کیا اور ہم حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی جرأت وعزیمت پر مبنی ان اصلاحی خدمات پر پورے خاندان صفدریہ کی طرف سے ان کے شکر گزار ہیں۔

اللہ رب العزت انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں اور ہمیں اور ان کے جانشینوں کو ان کے جرأت و عزیمت کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین (بشکریہ ماہنامہ دارالتقویٰ اشاعتِ خاص)

مولانا عمر فرید، ایبٹ آباد

# استادِ محترم کی یادیں......حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی رحمہ اللہ

۲۷ فروری اتوار کی شام علم کا ایک آفتاب و ماہتاب غروب ہوا، میدانِ تدریس کا شاہسوار رخصت ہوا، مسند حدیث کی رونق چلی گئی، تعلیم و تربیت کا ایک زریں عہد تمام ہوا۔ ہمارے ہردلعزیز استاد، مشفق ومربی حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی رحمہ اللہ ہزاروں تلامذہ کو سوگوار چھوڑ کر جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے پوتے اور شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اور مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ کے بھتیجے تھے۔ دارالعلوم کراچی میں نائب شیخ الحدیث اور دارالافتاء کے اہم ترین رکن تھے۔ آپ نے ۱۴ مئی ۱۹۵۱ء کو لاہور میں معروف شاعر مولانا محمد زکی کیفی کے ہاں آنکھ کھولی۔ آپ نجیب الطرفین واقع ہوئے، والد کی طرف سے تو معروف علمی خانوادے سے تعلق تھا ہی، اس کے ساتھ آپ کی والدہ مولانا محمد مبین خطیب کی صاحبزادی تھیں، جو دیوبند کی عیدگاہ کے معروف خطیب اور تحریک ریشمی رومال میں حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۰ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا رسول خان ہزاروی، مولانا جمیل احمد تھانوی، مولانا عبیداللہ اشرفی اور دیگر کبار علماء رحمہم اللہ شامل ہیں۔ درس نظامی کے بعد دارالعلوم کراچی میں اپنے دادا مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کے ہاں تخصص فی الافتاء کیا۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کلیۃ الشریعہ کی تعلیم حاصل کی، جہاں الدکتور محمود الطحان، شیخ عبدالعزیز بن باز و دیگر علماء سے استفادہ کیا۔

اصلاحی تعلق پہلے حضرت مفتی محمد شفیعؒ سے قائم کیا، پھر ان کے انتقال کے بعد حضرت حاجی محمد شریفؒ سے، پھر ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ سے، پھر حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ سے بیعت کی۔ مدینہ منورہ میں شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی مجلس میں بارہا شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ لاہور میں حضرت نفیس الحسینی شاہؒ اور

دیگر کئی بزرگوں کی صحبت حاصل رہی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ اشرفیہ میں ہی تدریس شروع کی۔ اس دوران درجہ اولیٰ سے لے کر درجہ سابعہ (ساتویں سال) تک مختلف علوم وفنون کی کتب پڑھانے کا موقع ملا۔ ۱۹۹۰ء میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے حکم پر آپ دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے اور وفات تک وہیں درس وتدریس اور افتاء کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ دارالعلوم میں مشکوٰۃ شریف اور دورہ حدیث کی مختلف کتب زیر تدریس رہیں اور آخری پندرہ سال بخاری شریف جلد ثانی کا درس دیتے رہے۔

بندہ کو بھی آپ سے جامعہ دارالعلوم کراچی میں بخاری شریف جلد ثانی پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ کا سبق طلبہ میں بے حد بلکہ سب سے زیادہ مقبول شمار ہوتا تھا، اس کی وجہ آپ کے درس کی متعدد خصوصیات تھیں۔ آپ کا سبق اخلاص، محبت، ہمدردی اور عمدہ تعلیم کے ساتھ نہایت اعلیٰ تربیت کا پہلو لیے ہوتا۔ قرآن وحدیث کے مستند علم کے ساتھ ظاہری وباطنی اصلاح پر مشتمل ہوتا۔ آپ نرم گفتگو، شیریں زبان، ناصحانہ انداز اور نہایت شفقت بھرے لہجے میں طلبہ کے مزاج ومذاق اور طرزِ عمل کو درست فرماتے تھے۔ ان کے اندر سے افراط وتفریط کو مٹا کر اعتدال پیدا کرتے۔ درس نظامی کے طلبہ میں عموماً جذباتیت اور شدت ہوتی ہے، لیکن آپ کے درس کی وجہ سے یہ شدت بتدریج اعتدال میں بدل جاتی۔ کافی عرصہ ایک مخصوص ماحول میں رہنے کے بعد بعض طلبہ اپنے اوپر بزرگی، تقدس کی چادر اور نیکی وتقوی کا بھوت سوار کر لیتے ہیں اور پھر دین داری کے نام پر حقوق العباد میں کوتائی کرنے لگتے ہیں یا دوسروں کو گناہگار سمجھنے لگتے ہیں، استاد محترم ایسے لوگوں کی خوب اصلاح فرماتے اور اس بزرگی کی چادر کو اُتار دیتے۔ فرماتے: ''مولانا! دو دن تہجد پڑھ کر آپ لوگ خود کو بزرگ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں، تب آپ کی خود ساختہ بزرگی لوگوں کے لیے مصیبت بن جاتی ہے۔'' اور فرماتے: ''مولانا! خدا کے لیے انسان بننے کی کوشش کریں، بزرگ بننے کی نہیں، جب صحیح انسان بن جائیں گے تو بزرگی اللہ تعالیٰ خود دے دیں گے۔''

دین کے کسی ایک شعبے کو ہی پورا دین سمجھ لینا اور دوسرے شعبوں سے منسلک افراد پر تنقید کرنا آپ کو سخت ناگوار ہوتا، اس پر اکثر تنبیہ فرماتے۔ اسی طرح تجارت ودیگر معاملات کو دین سے خارج دنیاداری سمجھنا بھی ان کے ہاں مرض تھا جس کا علاج فرماتے۔ آپ نبض شناس حکیم کی طرح باطنی امراض کی تشخیص کرتے اور علاج کے لیے ایسے موثر ترین نسخے پیش کرتے کہ ہر بندہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتا اور اپنے دل میں گہرا اثر

محسوس کرتا۔ آپ کی ہر بات انوکھی اور نرالی ہوتی، روزانہ کے سبق میں کئی ایسی باتیں سامنے آتیں جو آپ کی زندگی بھر کا تجربہ اور ہزاروں صفحات کا نچوڑ ہوتیں۔ احادیث سے ایسے باریک نکات اور عمدہ موتیوں کا استنباط فرماتے کہ ہر بات دل و دماغ میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی۔

ہمیشہ دھیمے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر، سوچ سمجھ کر اور تول کر بولتے تھے۔ سبق کی پابندی کرتے، جس ترتیب سے سبق سال کے شروع میں ہوتا آخر تک اسی ترتیب کو برقرار رکھتے۔ روزانہ بخاری شریف کی کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے اور سینے سے لگائے ہوئے آتے اور اسی طرح واپس جاتے، کسی سے خدمت نہیں لیتے تھے۔ خوشامد، چاپلوسی اور تعلقات بنا کر کام نکالنے والوں پر سخت نکیر کرتے، اسی لیے کسی کو زیادہ قریب نہ ہونے دیتے تھے۔ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں ہفتہ وار درس قرآن اور رمضان میں معتکفین کے لیے درس قرآن دیتے تھے، جو بہت مقبول ہوتا تھا۔ علماء، طلبہ اور عوام الناس کی کثیر تعداد مستفید ہوتی۔ تیسویں پارہ کا درس اور سورہ طلاق کا درس طبع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تیس سے زائد تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہونے کے بعد عوام وخواص کی توجہ حاصل کر چکی ہیں۔

استاد محترم کے بلا مبالغہ ہزاروں شاگرد ہیں، ان میں میرے جیسے سینکڑوں کا کہنا ہے کہ اگر استاد محترم سے شرف تلمذ حاصل نہ ہوتا اور آپ کی اصلاح و تربیت نہ ملتی تو آج نہ جانے شدت اور افراط وتفریط کی کن شکلوں میں مبتلا ہوتے۔ آپ کا ایک ملفوظ ہے: ”صراط مستقیم یعنی جلدی اور آسانی سے جنت لے جانے والا راستہ ہی اصل مقصود ہے، اسی کی دعا بار بار کرنے کا حکم ہے۔ یہ امت وسط ہے یعنی درمیان میں اعتدال کے ساتھ رہنا، چونکہ اعتدال میں رہنا مشکل ہے اس لیے ہر نماز میں صراط مستقیم کی دعا کی جاتی ہے۔“ آپ کے شاگردوں کو زندگی کے ہر موڑ پر اور قدم قدم پر آپ کی نصائح یاد آتی ہیں اور تربیت فراہم کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کے سبق میں شاید ہی کوئی غیر حاضری کرتا ہو یا کسی کو سستی آتی ہو، سب طلبہ نہایت شوق و ذوق سے سبق سن رہے ہوتے کہ محسوس ہی نہ ہوتا پورا گھنٹہ کیسے گزر گیا ہے۔

استاد محترم طلبہ کو جذباتی باتوں اور خیالی پلاؤ میں پڑنے کے بجائے زمینی حقائق کی طرف متوجہ کرتے۔ فرمایا کرتے: ”عام انسان کی طرح زندگی گزارنی چاہیے، حضرت اور بزرگ بن کر نہیں، عام لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں خود کو بھی فائدہ ملتا ہے کہ انسان میں بڑائی کا خناس نہیں آتا اور دوسروں کو بھی فائدہ ہوتا ہے کیونکہ آپ ان کے ساتھ زندگی گزار کر انہیں وقتاً فوقتاً سمجھا سکیں گے اور ان کو آپ سے سیکھنے کا

موقع ملے گا، جیسے حضور ﷺ کی زندگی صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھی۔'' نیکی کے تکبر پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے تھے:
''اپنے اعمال پر ناز نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ فاسق سے بھی دین کی خدمت لے لیتے ہیں۔ اپنے آپ کو جنتی اور دوسرے کو جہنمی طے کرنے کا فیصلہ ہمارے پاس نہیں ہے۔''

دارالافتاء میں فتوی کی تربیت حاصل کرنے والے طلبہ کی بھی خوب اصلاح فرماتے۔ کسی کو کافر یا فاسق قرار دینے میں بہت احتیاط کی تاکید فرماتے۔ عوام کے مسائل میں تعمق اور شدت اختیار کرنے سے منع کرتے اور فرماتے: ''آج کل طبیعت بن گئی ہے کہ خود تو آسان مسائل پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر دوسروں کو سخت فتوی دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے اکابر خود تو تقوی اور احتیاط پر عمل کرتے تھے مگر دوسروں کو شریعت کے دائرہ میں سہولت اور آسانی کا فتوی دیتے تھے۔'' فتوی عام فہم انداز میں لکھنے کی تاکید فرماتے اور فرماتے کہ خود کو مخاطب کی جگہ رکھ کر سوچو اور پھر جواب لکھو۔

استادِ محترم اپنے شاگردوں کی ہر ہر پہلو سے تربیت کرتے تھے، ظاہری و باطنی بیماریوں کی تشخیص کر کے ان کا علاج کرتے، فکری و نظریاتی غلطیوں کی بڑے حکیمانہ انداز میں اصلاح کرتے اور طرزِ عمل کو معتدل بناتے تھے۔ کبھی یاد نہیں کہ آپ نے غصے میں یا سختی سے بات کی ہو، ہمیشہ نرم اور میٹھے لہجے میں بات کرتے۔ کسی کو تنبیہ کرنی ہو تو اس کو نشانہ بنا کر نہ کرتے بلکہ عمومی انداز میں کرتے تھے۔ اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود تواضع و عاجزی کا پیکر تھے۔ تکلف، تصنع اور بناوٹ سے کوسوں دور تھے۔ شریعت کے مزاج کو اپنے اندر ڈھالے ہوئے اور اتباعِ سنت کا نمونہ تھے۔

آج ہمارے محبوب استادِ محترم اس دنیا میں نہیں رہے، مگر درسگاہ میں ان کی شیریں زبان سے نکلے ہوئے سنہری موتی آج بھی کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔ ان کے درسِ حدیث کی نورانیت دل میں آج بھی محسوس ہو رہی ہے۔ ان کی شفقت بھری نگاہیں، ان کے سنہری اقوال، ان کی بکھرے موتیوں جیسی نصیحتیں آج بھی دماغ میں نقش ہیں۔ ان کی معتدل زندگی کا ہر پہلو ہمارے لیے بہترین نمونہ اور ان کی تعلیم و تربیت ہر شاگرد کے لیے قیمتی سرمایہ ہے۔ آہ! امت مسلمہ کا عظیم سرمایہ، درسگاہِ حدیث کی رونق، محبت و شفقت کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے فیض کو جاری و عام فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد معاویہ سعدی [المرسل: دلاور خان، کوہاٹ]

# بچوں کی پٹائی کا نبوی حکم: غامدیانہ اعتراض کا جواب

بعد سلام مسنون! حسبِ فرمائش "تحقیق حدیث: "واضربوہ علیہا ابن عشر" کے عنوان سے مرسلہ مضمون بغور دیکھا، جو باتیں ذہن میں آئیں اُن کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

(۱)- بچوں کی تعلیم وتربیت کے طور پر شرعی حدود کے اندر پٹائی کی اِجازت، ائمہ اربعہ کے متفق علیہ مسائل میں سے ہے، جیسا کہ اُن کی کتبِ فقہیہ میں اس کی صراحت موجود ہے، اور "موسوعہ فقھیہ کویتیہ" میں اس کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:...اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْوَلِيِّ تَأْدِيبُ الصَّبِيِّ لِتَرْكِ الصَّلَاةِ وَالطَّهَارَةِ، وَلِتَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، وَذَلِكَ بِالْقَوْلِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ، وَبِالضَّرْبِ إِنْ لَزِمَ لِإِصْلَاحِهِ إِذَا بَلَغَ عَشْرًا؛ لِحَدِيثِ: عَلِّمُوا الصَّبِيَّ الصَّلَاةَ لِسَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ (الموسوعة الفقهية الكويتية :10/ 20).

(۲)- بچوں کی یہ پٹائی بطورِ تعزیرِ شرعی کے نہیں ہوتی، اِس لیے کہ حدود وتعزیرات کا تعلق مکلفین سے ہوتا ہے، جس کے لیے بلوغ: اولین شرائط میں سے ہے، بلکہ یہ پٹائی بطور تأدیب وتہذیب کے ہوتی ہے، جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

علامہ کاسانی حنفیؒ فرماتے ہیں: [فصل في شرط وجوب التعزير]: وأما شرط وجوبه فالعقل فقط؛ فيعزّر كل عاقل ارتكب جناية ليس لها حد مقدر، سواء كان حراً أو عبداً، ذكرا أو أنثى، مسلماً أو كافراً، بالغاً أو صبياً؛ بعد أن يكون عاقلاً، لأن هؤلاء من أهل العقوبة، إلا الصبي العاقل، فإنه يُعزَّر تأديباً لا عقوبةً؛ لأنه من أهل التأديب، ألا ترى إلى ما روى عنه – عليه الصلاة والسلام – أنه قال: »مروا صبيانكم بالصلاة؛ إذا بلغوا سبعا واضربوهم عليها؛ إذا بلغوا عشرا .«وذلك بطريق التأديب والتهذيب، لا بطريق العقوبة .(بدائع الصنائع:7/ 63)

امامِ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:...والمقصود به التأديب، ألا ترى أنه قد يُعزَّر من لا يخاطب بحقوق الله، كالصبيان وهو نظير التأديب في الدواب، فإنه من حقوق الملك.[المبسوط :9/ 82]

علامہ موفق ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں: مسألة: (4292) فصل: ...وللمعلم ضرب الصبيان للتأديب .قال الأثرم: سئل أحمد، عن ضرب المعلم الصبيان، قال: على قدر ذنوبهم، ويتوقى بجهده الضرب، وإذا كان صغيرا لا يعقل فلا يضربه. قال الموفق: ومن ضرب من هؤلاء كلهم الضرب المأذون فيه، لم يضمن ما تلف. وبهذا في الدابة قال مالك والشافعي، وإسحاق، وأبو ثور، وأبو يوسف، ومحمد. وقال الثوري، وأبو حنيفة: يضمن؛ لأنه تلف بجنايته، فضمنه، كغير المستأجر، وكذلك قال الشافعي في المعلم يضرب الصبي؛ لأنه يمكنه

تأديبه بغير الضرب. (المغنی: 5/ 397)

(۳)-فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں جب یہ بات متعین ہوگئی کہ بچوں کی پٹائی کی اجازت فطری اور سماجی ضرورت کے تحت تعلیم وتربیت کے طور پر دی گئی ہے، شرعی حد اور تعزیر کے طور پر نہیں، تو اِس مسئلے کے رد میں اُن نصوص واُصول کو پیش کرنا جن کا تعلق جنایت اور اُس کی حدود وتعزیرات سے ہے، نہایت بے محل اور بے ربط ہے۔

(۴)-اصحابِ حدیث کے ہاں یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ حدیث پر حکم لگانے اور اُس حکم پر مسئلہ متفرع کرنے کے لیے صرف ''تہذیب الکمال'' اور کتبِ رجال کی مراجعت کافی نہیں ہوتی، بلکہ اُس کے لیے دیگر اُصول وقرائن کی مراجعت بھی ضروری اور لازمی چیز ہے۔

سیدنا امام شافعیؒ، سیدنا الامام احمدؒ ودیگر کبارِ فقہائے محدثین سے مختلف مسائل کے تحت یہ صراحت ثابت ہے کہ فلاں باب میں وارِد حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، مگر تعاملِ اُمت کی بنا پر میرے نزدیک اِس پر عمل جائز ہے، اور یہ اُصول تقریباً متفق علیہ بھی ہے، بلکہ بہت سے فقہائے محدثین نے تعاملِ اُمت کو صحتِ حدیث کے قرائن میں سے بھی شمار کرایا ہے۔

(۵)-حدیث کے جن دونوں طرق پر مرسلہ مضمون میں کلام کیا گیا ہے وہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے:      الف: ورنہ پہلی حدیث جس کا مدار ''عبد الملك بن الربيع بن سبرة'' پر ہے، اور جس میں اُن کا صرف ضعف کا پہلو پیش کیا گیا ہے، اُن کے اندر توثیق کا پہلو بھی ہے، چنانچہ عجلی نے اُن کی توثیق کی ہے، ذہبی نے ''صدوق ان شاءاللہ'' کہا ہے، حافظ ابن حجر نے اپنی ''تقریب التہذیب'' میں دیگر تمام اقوال کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف عجلی کی توثیق ہی کو جگہ دی ہے، جس سے اُن کا عندیہ واضح ہے۔

پھر صحیح مسلم کا راوی اگرچہ متابعۃً ہی کیوں نہ ہو، ''حَسَــــن'' درجے کا تو ہوتا ہی ہے، مزید برآں ترمذی اور حاکم کی تصحیح بھی اُس کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ایسے میں اُس کی قوت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

ب: اِسی طرح دوسرے طریق کے مدار: سوّار بن داود المزنی کو مرسلہ مضمون میں انتہائی جرأت اور جسارت کے ساتھ ''**ضعیف جداً**'' کہہ دیا گیا، حالاں کہ ذہبی نے ان کو صرف ''**ضُعِّف**'' کہا ہے (جو اصحابِ نظر کے نزدیک حکمِ ''تضعیف'' کی ''بیماری اور کمزوری'' پر دلالت کے لیے کافی ہے)، اور حافظ صاحب نے تو صرف ''صدوق لہ اوہام'' ہی قرار دیا ہے، جس کی روایت بعض محققین کے نزدیک ''حسن'' درجے کی ہوتی ہے۔ حتی کہ صاحبِ ''تقریب التہذیب'' نے بھی زیادہ سے زیادہ اُن کو ''**ضعیف يُعتبَر به**'' کہا ہے، اور اہلِ فن ''**ضـعيف جداً**'' اور ''**ضـعيف يـعتبـر بـه**'' کی تعبیر میں موجود بونِ بعید سے خوب واقف ہیں؛ کہ اول متابعت کے بھی لائق نہیں رہ جاتا، اور ثانی کی متابعت کا اعتبار کیا جاتا ہے، جو کہ یہاں

’’شاہد‘‘ کے طور پر موجود ہے۔

(۶)– مسألۃ الباب اور حدیث الباب سے متعلق اِن تفصیلات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اِمام ترمذی کا حدیث کو ’’صحیح‘‘ یا ’’حسن‘‘ قرار دینا، حاکم کا ’’صحیح‘‘ قرار دینا، اور ابن القطان وغیرہ کا ’’حسن‘‘ قرار دینا؛ واقع کے عین مطابق، اور اُصولِ حدیث کے بالکل موافق ہے، اِسی لیے شیخ شعیب ارنؤوط مرحوم نے بھی اُس کو حاشیہ مسند احمد میں تو ’’حسن‘‘ مانا ہے، اور حاشیہ ابوداود میں ’’صحیح‘‘ قرار دیا ہے!

(۷)– یہ بات مضمون نگار صاحب کے علم میں بھی ہوگی کہ بہت سے فقہی مسائل کا مدار اِس سے کہیں کم درجے کی روایات پر ہے، ایسے میں محض راوی کے اوپر کچھ کلام کی وجہ سے ایک ثابت شدہ روایت کو، ایک متفق علیہ مسئلے کو اور ایک معمول بہا شرعی اُصول کو مشکوک کرنے کی کوشش، میں نہیں جانتا کہ اِس کا اصل منشا اور محرک یہاں پر کیا ہے؟

باقی یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آج کے دور میں ’’مغرب سے مرعوب‘‘ بہت سے افراد وطبقات، اِس طرح کے مسائل کو شرعی اَحکام کے تقاضے اور جذبے سے نہیں، بلکہ اہلِ مغرب کے ’’حقوقِ نسواں‘‘ اور ’’حقوقِ صبیاں‘‘ کے نعرے سے مرعوب ومتاثر ہوکر اُمت میں اُٹھاتے ہیں، اور اس کے لیے مجتہدانہ طور پر قرآن وحدیث سے دلائل فراہم کرنے کی ناکام کوششیں کرتے ہیں، حالاں کہ جس علم وتحقیق کا منشا خدانخواستہ اہلِ مغرب کی تائید ہو وہ اگر صحیح بھی ہو تو بھی ’’خدمتِ دین‘‘ نہیں: **قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (103) الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا** [الكهف: 103، 104]. [دجال کے فتنے سے حفاظت کے لیے سورۂ کہف کی اِن آیات کے پڑھنے کی ترغیب اپنے اندر بہت معنویت رکھتی ہے۔]

اِس کے برخلاف جس علم وتحقیق کا منشا شریعت کی حفاظت واشاعت، اور نصوص کی جمع وتطبیق ہو، اُس میں اگر ’’خطاء اجتہادی‘‘ بھی واقع ہوجائے، وہ بھی قابلِ معافی، بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے۔

اِس لیے ہم سب کو ہر تحقیق اور عمل سے پہلے اپنا محاسبہ کرلینا چاہیے کہ ہماری اِس کوشش کا محرکِ اصلی: دین اور خدمتِ دین ہے؟ یا مغربی اور سائنسی اُصولوں کی تصدیق وتائید ہے؟ یا اُن سے مرعوبیت اور تقلید ہے؟ اس کے بعد کسی بھی مضمون میں صواب وخطا دونوں کا احتمال تسلیم کیا جاسکتا ہے، اور دونوں ہی کے ساتھ ’’ادب الخلاف‘‘ کے اُصول کی رعایت کی جاسکتی ہے۔

وبالله التوفيق وهو المستعان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔ وصلى الله وبارك وسلم على سيدنا ومولانا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

وکتبہ وحررہ: اُخوکم محمد معاویہ سعدی، شعبہ تخصص فی الحدیث: جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۹/ شعبان ۱۴۴۳ھ

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط: ۸

# غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

## دوسرا واقعہ نامعلوم شخص کا:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”پہلا مقدمہ اُس شخص کا ہے جو نماز کے لئے جاتی ہوئی ایک خاتون سے سرِ راہ زنا بالجبر کا مرتکب ہوا، اور حضور ﷺ نے اُسے فوراً رجم کیا۔“ [برہان: ۸۸]

پھر اُس کو بحوالہ ابوداؤد لکھ کر کہتے ہیں:

”(اس) مقدمے میں رجم کی سزا مجرم کے شادی شدہ ہونے کی وجہ سے دی گئی یا زنا بالجبر کی بنا پر اُس کا مستحق قرار دیا؟ اس سوال کا جواب مقدمے کی اس روداد سے نہیں ملتا۔“ [برہان: ۸۸]

جی ہاں آپ کی اپنی سوچ میں اور جناب کے استاد اصلاحی کی سوچ میں اِس واقعہ میں رجم کا سبب اُس کا زنا بالجبر کا ارتکاب ہو تو ہو مگر شارحینِ حدیث اور فقہاء کی رائے میں اُس کے رجم کا سبب اُس کا محصن (شادی شدہ) ہونا ہے۔

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) اِسی واقعہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

**فامر برجمہٖ فرجموہ لکونہٖ محصناً (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۶/۲۳۵۴)** نبی کریم ﷺ نے اُس کے رجم کا حکم دیا، اور صحابہ رضی اللہ عنہ نے اُس کو رجم کیا کیوں کہ وہ محصن (شادی شدہ) تھا۔

اب آپ بھی زور لگا کر اسلاف میں سے کسی ایک کا کوئی ایک اور صرف ایک حوالہ پیش کر دیجیے کہ اُس کا رجم زنا بالجبر کے سبب تھا، آپ لوگوں کی اپنی قیاس آرائیاں ہیں جنہیں اصول کا نام دے دیتے ہیں، اور قرآن وسنت کا نام دے کر دھوکہ دہی کرنا چاہتے ہیں، ٹھیک ہے آپ کی مرضی لکھتے رہیے اور بولتے رہیے چاہے کذب وافسانہ ہو! کون آپ کی زبان وقلم کو روک سکتا ہے؟

## غامدی صاحب کے کچھ مزید شبہات، اور حل:

مزید غامدی صاحب کے موقف کو تفصیل سے بیان کرنا اور پھر اُس پر اپنی معروضات پیش کرنا ضروری ہے، محض اس لئے کہ شاید کوئی بات اُن کے دل کو لگے، اور اپنے موقف سے رجوع کریں۔

غامدی صاحب اِس بارے میں فقہاء کی رائے کو قرآن مجید کے خلاف سمجھتے ہیں، اور ساتھ یہ بھی مانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے رجم کی سزا جاری کی ہے، پھر اس بارے میں فراہی صاحب کے موقف کو سراہتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اُن کے موقف سے قرآن وسنت کا باہمی تعلق درست ہو جاتا ہے، گو فقہاء کی رائے غلط ہی رہتی ہے، فراہی کی رائے سمجھانے سے پہلے رجم کے سلسلے میں وارد روایات کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

اول: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث جو سورہ نساء کی آیت کے سلسلہ میں ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **البکر بالبکر جلدمائة ونفی سنة ،والثیب بالثیب جلدمائة والرجم.** غیر شادی شدہ مرد کی غیر شادی شدہ عورت سے بدکاری کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی، اور شادی شدہ مرد کی شادی شدہ عورت سے بدکاری کے لئے سو کوڑے اور رجم ہے۔

ثانی: موطا امام مالک اور صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آیت رجم سے متعلق خطبہ کی روایت بیان کی ہے: **الشیخ والشیخة اذازنیافارجموھماالبتة.** ترجمہ کرتے ہیں بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کو لازماً رجم کرو۔

ثالث: نسائی کے حوالے سے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر کرتے ہیں، جس میں ہے کہ شادی شدہ زانی ہو تو اُسے رجم کیا جائے گا۔

رابع: چوتھی روایت فتح الباری کے حوالے سے نقل کی ہے: **البکران یجلدان وینفیان، والثیبان یرجمان ولایجلدان ،والشیخان یجلدان ثم یرجمان.** [**فتح الباری: ۱۵۷/۱۲**] کنوارے زانی کی سزا سو کوڑے اور جلاوطنی ہے، شادی شدہ زانی کو صرف رجم کی سزادی جائے گی، اور بوڑھے زانیوں کو پہلے کوڑے مارے جائیں گے، اور اُس کے بعد رجم کیا جائے گا۔

یہ روایات ذکر کر کے غامدی صاحب نے روایاتِ رجم کو متعارض بنایا، اور تدبر کی نگاہ ڈالتے ہوئے جو کچھ لکھا، اُس کا حاصل اس طرح ہے:

اِن روایات میں جو تناقض ہے، پچھلی تیرہ صدیوں میں اُس کو دور کرنے میں کوئی کامیاب نہیں ہوا، تناقض اس طرح ہے، کہ

پہلی روایت (حدیث عبادہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی وزانیہ دونوں کنوارے ہوں تو سو کوڑے اور جلاوطنی کی سزا ہے، اور دونوں شادی شدہ ہوں تو کوڑوں اور رجم کی سزا ہے، اور اسی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کنوارے زانیوں کو رجم کی سزا سے پہلے سو کوڑے بھی لازماً مارے جائیں گے۔

**تبصرہ**: ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ اِس روایت میں صرف اتنا ہے زنا کرنے والے مرد وعورت دونوں کنوارے ہوں تو سو کوڑے اور جلاوطنی کی سزا ہے، اور دونوں شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور رجم کی سزا ہے، اِس میں یہ تو ذکر ہی نہیں کہ کنواروں کو رجم سے پہلے سو کوڑے لازماً مارے جائیں گے، کنواروں کے لئے کوڑے اور جلاوطنی کی سزا ذکر ہے، ممکن ہے کہ یہاں کاتب یا مصنف سے سہو ہوا، دراصل یہ لکھ رہے تھے کہ شادی شدہ مرد وعورت کو رجم کی سزا سے پہلے سو کوڑے بھی مارے جائیں گے۔

اِس کے بعد دوسری روایت (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول فرمان) پر غامدی صاحب کا جو تبصرہ ہے، وہ آیت رجم اور اس کی بحث میں گذر چکا ہے، دوبارہ دیکھ لیں۔

تیسری (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی) روایت میں بوڑھے تو صاف بچ گئے ہیں، رجم سے پہلے سو کوڑوں کی سزا بھی معاف کر دی گئی ہے، پہلی روایت میں رجم کی سزا کے لئے شادی شدہ سے شادی شدہ کے زنا کی جو شرط بیان ہوئی تھی، وہ بھی اِس میں ختم ہوگئی ہے، اِن سب باتوں سے قطع نظر کر کے جو قانون اس روایت میں بیان کیا گیا ہے، وہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شادی شدہ مرد خواہ شادی شدہ عورت سے زنا کرے یا غیر شادی شدہ سے ہر دو حالتوں میں اس کو رجم کی سزا دی جائے گی۔[برہان: ۶۰، ۶۱]

**تبصرہ**: غامدی صاحب نے یہ بالکل غلط بیانی کی ہے کہ اِس روایت کے مطابق بوڑھے سزا سے صاف بچ گئے ہیں، اس لئے کہ روایت کے کسی لفظ کا یہ ترجمہ یا مطلب نہیں ہے کہ بوڑھے زانیوں کے لئے سزا نہیں ہے، سچ یہ ہے کہ بوڑھوں کے لئے سزا کا ذکر نہیں ہے، اور سزا ذکر نہ ہونے کا معنی سزا نہ ہونا نہیں ہے، روایت میں جب رجم کی سزا ذکر ہوئی ہے تو اُس کے لئے شادی شدہ کی شرط ذکر ہوئی ہے، اب اگر بوڑھا یا بڑھیا شادی شدہ ہوں تو اُن کے اندر حدیث میں مذکور رجم کی شرط پائی گئی، تو اُن کی سزا رجم ہوگی، اور اگر نہیں پائی گئی یعنی غیر شادی شدہ ہوں تو سزا رجم نہیں ہوگی، اور چوں کہ عام طور پر بوڑھا اور بڑھیا شادی شدہ ہی ہوتے ہیں، اس لئے ایسی بات کے خصوصی ذکر کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی گئی، تاہم اگر زانیہ یا زانی بوڑھا غیر شادی شدہ ہو تو سزا رجم نہیں ہے، کوڑے ہیں۔

اور یہ بات بھی غامدی صاحب کی مغالطہ دہی ہے کہ پہلی روایت میں رجم کی سزا کے لئے شادی شدہ سے شادی شدہ کے زنا کی جو شرط بیان ہوئی تھی، وہ بھی اِس میں ختم ہوگئی ہے، پہلی حدیث میں دونوں طرح کی سزاؤں کی ایک ایک صورت کا بیان تھا، جس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ شادی شدہ' شادی شدہ سے زنا کرے تو دونوں کی یہ سزا ہے، اور شادی شدہ غیر شادی شدہ سے زنا کرے تو وہ شادی شدہ مذکورہ سزا سے بچ گیا، ایسے ہی یہ ذکر ہے کہ غیر شادی شدہ غیر شادی شدہ سے زنا کرے تو یہ سزا ہے، اور اگر غیر شادی شدہ

شادی شدہ سے زنا کرے تو سزا سے بچ گیا،نہیں بلکہ اِس حدیث میں جیسا کہ جناب نے بھی سمجھا ہے، جو قانون بیان ہوا ہے وہ یہی ہے کہ شادی شدہ مرد خواہ شادی شدہ عورت سے زنا کرے یا غیر شادی شدہ سے ہر دو حالتوں میں اس مرد کو رجم کی سزا دی جائے گی، غامدی کی عقل یہ کام کرتی ہے،مگر مقصود استاذ کی شاگردی کا حق ادا کرنا ہے،تو استاذ کے مقابل ساری امت کے فقہاء کی رائے کی غلطی بتانے کے لئے کچھ نہ کچھ تو پیش کرنا ہے چاہے مغالطہ دہی کا ارتکاب کرنا پڑے۔

ذہن میں رہے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت اور ایسی ہی دوسری اِس مضمون کی روایات رجم کے ساتھ کوڑوں کی سزا کا منسوخ ہونا ظاہر کرتی ہیں،شاید آپ ﷺ نے یہ ارشاد اُس کے نسخ کے بعد فرمایا ہو۔

لکھتے ہیں:

’’چوتھی روایت ان سب سے مختلف ہے،اس میں تازیانے اور جلاوطنی کی سزا کے لئے غیر شادی شدہ سے غیر شادی شدہ کے زنا کی شرط بھی باقی نہیں رہی،شادی شدہ زانیوں کے لئے بھی اس میں صرف رجم کی سزا بیان ہوئی ہے،لیکن بوڑھے اس روایت کی رو سے بے طرح مرے ہیں،ان کی جو سزا اس میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اُنہیں سنگ ساری سے پہلے سو کوڑے بھی لازماً مارے جائیں گے۔‘‘[برہان:۶۱]

**تبصرہ**:غامدی صاحب نے تأثر یہ دیا ہے کہ یہ چوتھی روایت بھی نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے، اگر غامدی صاحب نے بالارادہ ایسا کیا ہے تو جھوٹ بولا ہے،اور اُس پر سچ کی ملمع سازی کر کے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے،اور اگر بلا ارادہ ایسا کیا ہے تو خود مغالطہ میں پڑے ہیں،حقیقت یہ ہے کہ فتح الباری میں ہی یہ الفاظ خود مسروق سے نقل ہیں،یعنی مسروق نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ اُن کی اجتہادی رائے یہ ہے کہ:

’’کنوارے زانی کی سزا سو کوڑے اور جلاوطنی ہے،شادی شدہ زانی کو صرف رجم کی سزا دی جائے گی،اور بوڑھے زانیوں کو پہلے کوڑے مارے جائیں گے،اور اُس کے بعد رجم کیا جائے گا۔‘‘

یہ غامدی صاحب کی علمیت اور اُن کی ایمان داری کہ مسروق کے قول کو بھی نبی کریم ﷺ کی حدیث کے طور پر پیش کرتے ہیں،اُن کے اُن شاگردوں کو بھی داد دینے کو جی چاہتا ہے جو اُن کی کتابوں پر نظر ثانی کرتے رہتے ہیں۔

گر همی مکتب و همی ملاں : کار طفلاں تمام خواهدشد،

بہر حال مذکورہ حدیثوں میں کوئی خاص تعارض و تناقض نہیں ہے جو حل نہ ہو،غامدی صاحب کا خیال ہے کہ تیرہ صدیوں میں اِس تناقض کو کوئی حل نہیں کر پایا،تیرہ صدیاں فراہی صاحب جیسے صاحبِ علم

سے محروم رہیں، فراہی صاحب نے آکر ماشاء اللہ حل پیش کیا ہے۔

اس کے بعد غامدی صاحب نے آیتِ رجم سے پیدا ہونے والے اپنے اور استاذ صاحب کے وساوس بیان کئے ہیں، اور حدیثوں میں مذکور لفظ **احصان** اور **محصن** کے معانی متعددہ کے احتمال کی بات کی ہے، جن کا ذکر آیتِ رجم کی روایات کے تحت ہو گیا ہے۔

اس کے بعد غامدی صاحب نے پھر ''مقدمات'' کے نئے عنوان سے تقریباً اِنہی باتوں کو دُہرایا ہے تاکہ تقریر لمبی ہو، اور ان کے موقف کی وضاحت کو پُر زور طریقے سے مدلل سمجھا جائے، اس تقریر کی بعض وہ باتیں جن کا پہلے ذکر نہیں ہوا، یہاں ہم اُن کی وضاحت کیے دیتے ہیں۔

**حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت:**

لکھتے ہیں:

''ابوداؤد میں جابر بن عبداللہ کی وہ روایت جس میں ایک شخص کو سو کوڑے لگوانے کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ یہ محصن ہے رجم کی سزا دی گئی۔'' [برہان:۶۵]

''حقیقت یہ ہے کہ (یہ) رسول اللہ ﷺ پر ایک بدترین اتہام ہے... حضورؐ کے بارے میں کوئی عاقل کیا یہ مان کر سکتا ہے کہ اگر سزا میں فرق کی بنیاد فی الواقع شادی ہی تھی، تو آپ نے اس کے بارے میں تحقیق کئے بغیر مجرم کو سو کوڑے لگوا دیئے؟'' [برہان:۷۲]

**تبصرہ:** جی ہاں محدثین بھی یہی فرما رہے ہیں کہ یہ روایت مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ موقوف ہے، اگر آپ کی آنکھیں ہیں اور واقعی ہیں، تو آپ نے جہاں سے نقل کی ہے وہاں ہی دیکھ لیتے کہ کیا لکھا ہے؟

**قال ابوداؤد روی ھٰذا الحدیث محمد بن بکر البرسانی عن ابن جریج موقوفا علی جابر ورواہ ابو عاصم عن ابن جریج بنحو ابن وھب لم یذکر النبی ﷺ الخ (ابوداؤد ۱۵۱، تحت رقم ۴۴۳۸)**

ابوداؤد فرماتے ہیں یہ حدیث محمد بن بکر برسانی نے ابن جریج سے جابر پر موقوف بیان کی ہے، ایسے ہی ابو عاصم نے ابن جریج سے ابن وہب کی طرح روایت کی ہے (مگر) نبی کریم ﷺ کا ذکر نہیں کیا۔

**قال ابو عبدالرحمن لا اعلم ان احدا رفع ھٰذا الحدیث غیر ابن وھب (السنن الکبری للنسائی تحت رقم ۷۱۷۳)** امام نسائی فرماتے ہیں ابن وہب راوی کے سوا کوئی راوی مجھے

معلوم نہیں جس نے یہ روایت مرفوع بیان کی ہو۔

تو جب محدثین فرما رہے ہیں کہ اِس روایت کی نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت درست نہیں، تو آپ نے محدثین کا یہ فیصلہ دیکھا ہوگا پھر اِس روایت کو بار بار کے تکرار کے ساتھ ذکر کرنے کا کیا معنی؟

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ موقوف دو طرح سے منقول ہے:

**۱)عن جابر ان رجلاً زنی بامرأة فلم یُعلم باحصانہٖ فجُلد،ثم عُلِم باحصانہٖ فرُجِم**

ایک آدمی نے کسی عورت سے زنا کرلیا، اور اُس کا محصن ہونا معلوم نہ ہوا تو اُسے کوڑوں کی سزا دی گئی، پھر اُس کا محصن ہونا معلوم ہوا تو اُسے رجم کیا گیا۔

اِس روایت کو کئی محدثین نے ضعیف کہا ہے۔

**۲)جابر بن عبداللہ قال فی محصن زنا ولم یعلم باحصانہٖ حتی جلد،ثم عُلم باحصانہٖ ،قال یُرجَمُ (نسائی الکبری رقم ۷۱۷۴،الکبری للبیھقی رقم ۱۶۹۵۰)**

جو محصن زنا کرلے اور اُس کا محصن ہونا معلوم نہ ہو یہاں تک کہ اُس کو کوڑوں کی سزا ہو جائے، پھر اُس کا محصن ہونا معلوم ہو؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اُس کو رجم کیا جائے گا۔

اِس روایت کو امام نسائی وغیرہ نے درست قرار دیا ہے، معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ کوئی بھی نہیں ہوا، اور کسی شخص کو ایسے سزا نہیں دی گئی، بلکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہو جائے کہ زانی کا محصن ہونا معلوم نہ ہونے کے سبب اُس کو کوڑوں کی سزا ہو، اور پھر محصن ہونا معلوم ہو تو کیا وہی سزا کافی ہے یا اُس کو رجم کیا جائے گا جو محصن کی سزا ہے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ بتایا کہ اُس کو رجم کیا جائے گا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ مسئلہ بھی آپ ثلاثہ کے موقف کی مٹی پلید کرتا ہے، اس لیے آپ مغالطہ دہی اور فریب کاری کی کوشش میں لگے ہیں۔

یہی حال قبیلہ بکر بن لیث کے ایک آدمی کے مقدمہ کا ہے، کہ حضور ﷺ نے پہلے اُس پر حد زنا سو کوڑے جاری کی، پھر عورت سے پوچھا تو اُس نے انکار کر دیا، تو اِس پر آپ ﷺ نے حد قذف کے کوڑے لگوائے۔ [برہان: ۷۲]

یہ واقعہ غلط ہے، محدثین نے بھی اِس کو درست تسلیم نہیں کیا، امام نسائی کہتے ہیں یہ منکر روایت ہے، قاضی محمد بن علی شوکانی فرماتے ہیں اِس کی سند میں راوی القاسم بن فیاض صنعانی ہے جس میں بہت سے محدثین نے کلام کیا ہے، ابن حبان نے فرمایا اِس سے حجت لینا باطل ہے۔ (نیل الاوطار: ۱۲۷/۷)

تو جب محدثین نے قبول نہیں کیا جناب کو بیان کرنے کی کونسی مجبوری پیش آئی ہے؟

## حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ:

واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے کنواری لڑکی سے زنا کیا، اور حاملہ کر دیا، لوگ اُس شخص کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے، اُنہوں نے کوڑوں اور جلاوطنی کی سزا دی۔

غامدی صاحب یہ ذکر کر کے لکھتے ہیں:

''لیکن لڑکی کے متعلق کسی سزا کا کوئی ذکر اس روایت میں نہیں ہوا، کیا اسے یہ سمجھا جائے کہ یہ درحقیقت زنا بالجبر کا معاملہ تھا...... جب حمل ظاہر ہو گیا تو مجرم پکڑا گیا اور اسے زنا کے جرم میں سو کوڑے مارنے کے بعد اس کی اوباشی کی بنا پر جلاوطن کر دیا گیا؟ یہ بات اگر نہیں تھی تو پھر لڑکی کو سزا کیوں نہیں دی گئی، اور اگر دی گئی تو روایت میں اُس کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟ وہ اگر لونڈی تھی اور اُس پر حد جاری نہیں کی جا سکتی تھی، تو کیا تعزیر کے طور پر بھی اس کو کوئی سزا دینا ممکن نہ تھا؟ [برہان: ٦٩]

جواب: تقریباً یہی روایت امام عبدالرزاق نے مصنّف کتاب الطلاق (رقم ۱۲۷۹۶) میں نافع سے اس طرح ذکر کی ہے: **جاء رجل الی ابی بکر، فذکر انّ ضیفاله افتض اختهٔ، استکرهها علی نفسها، فساله فاعترف، فضربه ابوبکر الحد، ونفاه سنة الی فدک، ولم یضربها لانه استکرهها، ثم زوّجها ایّاه ابوبکر وادخله علیها. [نصب الرایة: ۳۳۲/۳]** ایک آدمی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور ذکر کیا کہ اُس کے مہمان نے اُس کی بہن سے برائی کر لی، اُس پر جبر کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس آدمی سے پوچھا تو اُس نے اعتراف کیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس کو حد لگائی، اور ایک سال کے لئے فدک کی طرف جلاوطن کیا، لیکن اُس عورت کو حد نہیں لگائی کیوں کہ اُس شخص نے اُس سے جبراً یہ حرکت کی تھی، پھر (بعد میں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس شخص سے اُس عورت کی شادی کرا دی، اور اُس کے پاس جانے کو کہا۔

صاحب نصب الرایہ نے دونوں روایتیں ایک سمجھی ہیں، اس لئے لگتا یہی ہے کہ یہ دونوں روایتیں ایک واقعہ کی ہیں، تو اگر ایک ہی واقعہ ہو تو اُس لڑکی سے زنا بالجبر ہونا صاف واضح ہے، اس لئے لڑکی کو کوئی سزا نہیں دی گئی، اور اِسے غامدی اور اُس کے استاذوں کا یہ اصول تو صاف ٹوٹ گیا کہ جو زنا بالجبر کا مرتکب ہو ایسے کو رجم کی سزا ہے، اِسے معلوم ہوا کہ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ زنا بالرضا ہے، یا بالجبر ہے، بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ زانی محصن ہے یا غیر محصن ہے؟ تو وہ چوں کہ غیر محصن تھا جیسا کہ غامدی نے مؤطا سے یہ لفظ نقل کئے ہیں اس لئے اُس کو کوڑوں کی سزا دی گئی، رجم نہیں کی گئی۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ:

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عثمان کے پاس ایک عورت لائی گئی، جس نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنا تھا، اُنہوں نے حکم دیا کہ اُسے رجم کیا جائے، یہ واقعہ لکھ کر غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''اس روایت کو بھی لوگ شادی شدہ کے لئے رجم کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، دراں حالیکہ بچہ اگر فی الواقع زنا کے ہی نتیجے میں پیدا ہوا تھا تو یہ بات خود اس روایت ہی سے ثابت ہوگئی کہ عورت نے اس جرم کا ارتکاب شادی سے پہلے کیا تھا، پھر کیا اس روایت کی بنیاد پر یہ دفعہ بھی قانون میں شامل کرلی جائے کہ کنواری زانیہ اگر زنا کے بعد شادی کرلے تو اس صورت میں بھی اُسے رجم ہی کی سزا دی جائے گی؟''

[برہان: ۷۱]

جواب: غامدی صاحب نے روایت ادھوری بیان کی ہے، پوری روایت یوں ہے: **ان عثمان بن عفان اتی بامرأة قدولدت فی ستة اشهرفامربهاان ترجم ،فقال له علی بن ابی طالب لیس ذالک علیهافان الله یقول فی کتابه وحمله وفصاله ثلثون شهرا،وقال والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین لمن ارادان یتم الرضاعة ،فالحمل یکون ستة اشهر ،فلارجم علیها،فبعث عثمان فی اثرهافوجدهاقدرجمت. (مؤطا)**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے چھ ماہ میں بچہ جنا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کے رجم کا حکم دیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو فرمایا کہ اُس پر رجم کی سزا نہیں ہے، کیوں کہ قرآن مجید کی درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حمل (کم از کم) چھ مہینے پیٹ میں رہ سکتا ہے، اس لئے اُس پر رجم کی سزا نہیں ہے، یہ سُن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (کو مسئلہ سمجھ آ گیا اور اُنہوں) نے پیچھے آدمی بھیجے تو اُس عورت کو رجم کر دیا گیا تھا۔

اِس پوری روایت سے یہ تو صاف واضح ہوگیا کہ اُس وقت اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رجم کا حکم دے دیا مگر بعد میں حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اِس صورت میں رجم کی سزا درست نہیں ہے۔

لیکن دراصل بات یہ تھی کہ اِس عورت پر حد کی وجہ یہ شبہ بنا تھا کہ شادی کے بعد چھ مہینے کے اندر اندر اِس عورت کا بچہ پیدا ہوگیا تھا، جب کہ عورتوں کی عام عادت یہ ہے کہ نو مہینے یا نو مہینوں سے کچھ اوپر بچہ پیدا ہوتا ہے، تو یہ بچہ نو مہینے سے پہلے چھ مہینوں میں پیدا ہوا تو خاوند نے سمجھا کہ اِس عورت نے میرے ساتھ شادی کرنے سے پہلے زنا کیا ہے، اور یہ بچہ اُسی زنا سے ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی

اِسی شبہ کے سبب اُس عورت پر حد لازم سمجھی، اور چوں کہ اِس شوہر سے پہلے اُس عورت کی کسی اور شوہر سے شادی ہوئی تھی (جس نے طلاق دے دی تھی، یا فوت ہو گیا تھا) اور اب وہ محصنہ تھی، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رجم کا حکم دیا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت پیش کر کے سمجھایا کہ حلال بچہ بھی کم از کم چھ مہینے میں پیدا ہو سکتا ہے، اس لئے بچہ کی پیدائش عورت پر زنا کے الزام کا ثبوت نہیں ہو سکتا، اس لئے عورت حد لگانے کے قابل نہیں ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بات سمجھ آ گئی، اس لئے اُس پر حد کے حکم سے رجوع کیا۔

پھر دونوں حضرات کی رائے ایک ہونے تک اُس کو رجم کر دیا گیا یا نہ؟ اس بارے میں بھی روایتیں دو طرح آئی ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھایا مگر وہ رجم کر دی گئی تھی، جیسا کہ مؤطا کی اِس روایت میں ہے، امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ اس کو ابن ابی ذئب نے اپنے مؤطا میں زید بن عبداللہ بن قُسیط سے، اُنہوں نے نعجہ جہینی سے روایت کیا ہے (الاستذکار ۷/۴۹۱) زرقانی کی شرح مؤطا میں بحوالہ ابن ابی حاتم راوی کا نام بعجہ بن عبداللہ جہنی ہے۔[شرح الزرقانی: ۴/۲۳۳]

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھایا، جس پر اُس عورت کو چھوڑ دیا گیا، اور رجم نہیں کیا گیا۔

**فردھا عثمان وخلی سبیلھا، فترکھا عثمان رضی الله عنه فلم یرجمھا.** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کو واپس کر دیا، اور اُس کا راستہ چھوڑ دیا، حضرت عثمان نے اُس کو چھوڑ دیا اور رجم نہیں کیا۔(**سنن سعید بن منصور رقم ۲۰۷۵، تاریخ المدینة لابن شبة ۳/۹۷۷، ۹۸۷، التوحید لابن مندة رقم ۱۰۱**)

اس روایت کو بیان کرنے والے راوی قائد ابن عباس، ابو عبید مولی عبدالرحمٰن بن عوف و مولی ابن ازہر، ابوالضحیٰ تین ہیں رحمہم اللہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان کے موافق اور زیادہ صحیح یہی روایت لگتی ہے، پہلی روایت پر وہ شبہات بھی پڑتے ہیں جو غامدی صاحب کی سمجھ میں آئے، اُن کے علاوہ بھی بعض شبہات پڑتے ہیں، اس لئے زیادہ صحیح یہی لگتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کو رجم نہیں کیا ہوگا، اور اگر رجم کر دی گئی ہو تو امید ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کی دیت ادا کی ہوگی۔(شروحاتِ موطا) **واللہ اعلم** (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

# تصویر کے بارے میں چالیس احادیث

رحمۃ للعالمین ﷺ کا تصویروں کی وجہ سے خانہ کعبہ میں تشریف نہ لے جانا:

**1 - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَارِثِ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ أَبَى أَنْ يَدْخُلَ البَيْتَ وَفِيهِ الآلِهَةُ، فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ، فَأَخْرَجُوا صُورَةَ إِبْرَاهِيمَ، وَإِسْمَاعِيلَ فِي أَيْدِيهِمَا الأَزْلاَمُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَاتَلَهُمُ اللَّهُ، أَمَا وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّهُمَا لَمْ يَسْتَقْسِمَا بِهَا قَطُّ". فَدَخَلَ البَيْتَ، فَكَبَّرَ فِي نَوَاحِيهِ، وَلَمْ يُصَلِّ فِيهِ.**

**(صحيح البخاری، بَابُ مَنْ كَبَّرَ فِي نَوَاحِي الكَعْبَةِ: 2/ 150)**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ جب (فتح مکہ کے موقع پر) تشریف لائے، تو بیت اللہ میں داخل ہونے کو ناپسند فرمایا کہ اس میں بت رکھے ہوئے تھے، حضور نبی کریمؐ نے ان کو نکالنے کا حکم فرمایا، پس وہ بھی نکال لئے گئے اور انہوں نے ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) کے وہ مجسمے بھی نکال باہر کیے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے، رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ ان (مشرکین) پر لعنت کرے، اللہ کی قسم ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان حضرات انبیاء نے کبھی پانسے نہیں پھینکے، بعد ازاں حضورؐ بیت اللہ میں داخل ہوئے، اور بیت اللہ کے کونوں میں تکبیر کہی اور وہاں نماز نہیں پڑھی۔

تصویر والے گھر میں نبی کریم ﷺ کا تشریف نہ لیجانا:

**2 - حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمْهَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَفِينَةَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا ضَافَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَصَنَعُوا لَهُ طَعَامًا، فَقَالَتْ فَاطِمَةُ: لَوْ دَعَوْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَ مَعَنَا، فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ، فَجَاءَ فَأَخَذَ بِعِضَادَتَيِ الْبَابِ، فَإِذَا قِرَامٌ قَدْ ضُرِبَ بِهِ فِي نَاحِيَةِ الْبَيْتِ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ، فَقَالَتْ فَاطِمَةُ لِعَلِيٍّ: اتْبَعْهُ، فَقُلْ لَهُ: مَا رَجَعَكَ؟ فَتَبِعَهُ، فَقَالَ: مَا رَجَعَكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "إِنَّهُ لَيْسَ لِي، أَوْ لَيْسَ لِنَبِيٍّ، أَنْ يَدْخُلَ بَيْتًا مُزَوَّقًا."**

**(مسند أحمد، حديث أبی عبد الرحمن سفينة مولى رسول الله ﷺ: 36/ 251)**

ترجمہ: سعید بن جمہانؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ: ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا، انہوں نے مہمان کے لیے

کھانا بنایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی کہ: کیا ہی اچھا ہو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو بلالیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانا تناول فرمائیں، پس انہوں نے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا، آپ ﷺ تشریف لائیں اور چوکھٹ کے دونوں بازو کو پکڑا، گھر کے ایک جانب میں ایک باریک کپڑا لٹکا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے جب اسے دیکھا تو واپس تشریف لے گئے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: آپ ذرا جا کر حضور سے پوچھیں کہ کس بات نے آپؐ کو واپس کر دیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کس وجہ سے واپس تشریف لے گئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے یا کسی نبی کے لیے روا نہیں کہ کسی مزین گھر میں داخل ہو۔

**3 – حدَّثنا عثمانُ بنُ أبي شيبةَ، حدَّثنا ابنُ نُميرٍ، حدَّثنا فُضَيل بن غَزْوَانَ، عن نافعٍ عن عبدِ الله بنِ عُمر: أنَّ رسولَ الله – صلَّى الله عليه وسلم – أتى فاطِمةَ، فوجَدَ على بابها سِتراً، فلم يَدْخُلْ، قال: وقلَّما كان يدخُلُ إلا بَدَأ بها، فجاءَ عليٌّ، فرآها مُهتمَّةً، فقال: ما لَكِ؟ قالت: جاء النبيُّ –صلَّى الله عليه وسلم– إليَّ فلم يَدْخُلْ، فأتاه عليٌّ، فقال: يا رسولَ اللهِ، إن فاطمةَ اشتَدَّ عليها أنك جئتَها فلم تدخُلْ عليها، قال: "وما أنا والدُّنيا؟ وما أنا والرَّقْم" فذهَبَ إلى فاطمةَ، فأخبرها بقولِ رسولِ الله – صلَّى الله عليه وسلم –، فقالت: قُل لِرَسُول الله –صلَّى الله عليه وسلم–: ما تأمُرُني به؟ قال: "قل لها: فلتُرْسِلْ به إلى بني فُلان." (سنن أبي داود، باب في اتخاذ السُّتورِ: 6/ 229)**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے، تو ان کے دروازے پر پردہ پایا اور اندر داخل نہیں ہوئے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جب بھی آپؐ ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جانا چاہتے تو پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مغموم پایا، پوچھنے لگے کیا ہوا؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: حضور نبی کریم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے مگر اندر داخل نہیں ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ! فاطمہ رضی اللہ عنہا پر یہ بات بہت شاق گزری کہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے مگر اندر داخل نہیں ہوئے، حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ اور مجھے نقش ونگار سے کیا کام؟ پھر علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ سے پوچھیے کہ میرے لئے کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اسے بتلاؤ کہ اس (منقش پردے) کو فلاں گھر والوں کے ہاں بھیج دو۔

امام الانبیاء ﷺ کا گھر میں تصویر نہ چھوڑنا:

**4– حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ، أَنَّ**

**عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فِيهِ تَصَالِيبُ إِلَّا نَقَضَه."(صحيح البخارى، بَابُ نَقْضِ الصُّوَرِ: 7/ 167)**

ترجمہ:عمران بن حطّانؒ سے مروی ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے حدیث سنائی کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں ایسی چیز پاتے جس میں صلیب کی تصویر ہو، اسے توڑ ڈالتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کا تصاویر اکھیڑنے کا حکم فرمانا:

**5 – حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:"قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَفَرٍ، وَعَلَّقْتُ دُرْنُوكًا فِيهِ تَمَاثِيلُ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَنْزِعَهُ فَنَزَعْتُهُ."(صحيح البخارى، باب ما وطء من التصاوير: 7/ 168)**

ترجمہ:ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ سفر سے تشریف لائے اور میں نے ایک پردہ لٹکایا تھا جس پر تصاویر تھیں،حضور ﷺ نے مجھے اس کے اکھیڑنے کا حکم فرمایا،تو میں نے اسے اکھیڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تصویر زائل کرنے کا حکم فرمانا:

**6 – حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ دَاوُدَ، عَنْ عَزْرَةَ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ لَنَا سِتْرٌ فِيهِ تِمْثَالُ طَائِرٍ، وَكَانَ الدَّاخِلُ إِذَا دَخَلَ اسْتَقْبَلَهُ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حَوِّلِي هَذَا، فَإِنِّي كُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَأَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا « قَالَتْ: وَكَانَتْ لَنَا قَطِيفَةٌ كُنَّا نَقُولُ عَلَمُهَا حَرِيرٌ، فَكُنَّا نَلْبَسُهَا."**

**(صحيح مسلم، بَابُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ: 3/ 1666)**

ترجمہ:حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک پردہ تھا جس پر پرندے کی تصویر بنی ہوئی تھی اور جب کوئی اندر داخل ہوتا تو یہ تصویر اس کے سامنے ہوتی (یعنی سب سے پہلے اس کی نظر تصویر پر پڑتی)،تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اس پردے کو نکال دو، کیونکہ میں جب گھر میں داخل ہوتا ہوں اور اس تصویر کو دیکھتا ہوں تو مجھے دنیا یاد آجاتی ہے،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہمارے پاس ایک چادر تھی ہم کہتے تھے کہ اس پر نقش ونگار ریشم کا ہے اور ہم اسے پہنا کرتے تھے۔

سید المرسلین ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ میں موجود تصویریں مٹانے کا حکم فرمانا:

**7– حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ:" كَانَ فِي الْكَعْبَةِ صُوَرٌ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَنْ يَمْحُوَهَا، فَبَلَّ عُمَرُ ثَوْبًا وَمَحَاهَا بِهِ، فَدَخَلَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ**

**وَسَلَّمَ، وَمَا فِيهَا مِنْهَا شَيْءٌ."**

**(مسند أحمد، مسند جابر بن عبدالله رضى الله عنه: 23/ 409)**

ترجمہ:حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ:خانہ کعبہ میں تصویریں تھیں، حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے مٹانے کا حکم فرمایا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کپڑا گیلا کیا اور اس کے ذریعے ان کو مٹایا،اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے،اور اس میں کوئی تصویر نہیں تھی۔

**8 – حدَّثنا الحسنُ بنُ الصَّبَّاح، أن إسماعيلَ بنَ عبدِ الكريمِ حَدَّثهم، حدَّثني إبراهيمُ –يعني ابنَ عَقيل– عن أبيه، عن وهبِ بن مُنبِّه عن جابرٍ: أن النبيَّ –صلَّى الله عليه وسلم– أمَرَ عُمَرَ بنَ الخطاب زمنَ الفتحِ وهو بالبَطْحاء أن يَأتيَ الكَعبةَ فيَمحُو كُلَّ صُورَةٍ فيها، فلم يَدْخُلْها النبيُّ –صلَّى الله عليه وسلم– حتى مُحِيَتْ كُلُّ صُورةٍ فيها.(سنن أبى داود، باب فى الصور: 6/ 233–234)**

ترجمہ:حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:حضور نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جبکہ حضور ﷺ "بطحاء" میں تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:کہ وہ خانہ کعبہ جائے اور اس میں موجود سب تصویروں کو مٹادے،پس نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہوئے یہاں تک کے سب تصویریں مٹادی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تصویر کی وجہ سے گرجا میں نہ جانا:

**9 – وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:"إِنَّا لاَ نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ أَجْلِ التَّمَاثِيلِ الَّتِي فِيهَا الصُّوَرَ" وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ:"يُصَلِّي فِي البِيعَةِ إِلَّا بِيعَةً فِيهَا تَمَاثِيلُ."**

**(صحيح البخارى، باب الصلاة فى البيعة: 1/ 94)**

ترجمہ:حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:ہم ان مجسموں کی وجہ سے جس میں تصویریں ہوتی ہیں تمہارے کنائس(کنائس کنیسہ کی جمع ہے یہودیوں کی عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے)میں داخل نہیں ہوتے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیعہ(گرجا،عیسائیوں کی عبادت گاہ)میں نماز پڑھتے تھے مگر اس بیعہ میں نماز نہیں پڑھتے تھے جس میں مجسمے ہوتے تھے۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا تصویر کی وجہ سے گھر میں داخل ہونے سے انکار کرنا:

**10 – أخبرَنا أبو عليٍّ الرُّوذْبارِيُّ، أخبرَنا أبو محمدٍ ابنُ شَوذَبٍ الواسِطيُّ بها، حدثنا أحمدُ بنُ سِنانٍ، حدثنا وهبُ بنُ جَريرٍ،حدثنا شُعبَةُ، عن عَدِيِّ بنِ ثابتٍ، عن خالِدِ بنِ سَعدٍ، عن أبى مَسعودٍ، أنَ رَجُلًا صَنَعَ له طَعامًا فدَعاه، فقالَ: أفِي البَيتِ صورَةٌ؟ قال:**

**نَعَم. فأَبَى أن يَدخُلَ حَتّى كَسرَ الصّورَةَ ثُمَّ دَخَل.**

**(السنن الكبرى للبيهقي، باب التشديد في المنع من التصوير: 15/ 25)**

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک آدمی نے ان کے لیے کھانا تیار کیا اس کے بعد ان کو دعوت دی، انہوں نے میزبان سے فرمایا: کیا گھر میں کوئی تصویر ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! تو ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے گھر میں داخل ہونے سے انکار کیا یہاں تک کہ انہوں نے تصویر توڑ دی، اس کے بعد گھر میں داخل ہوئے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کتے اور تصویر کی وجہ سے گھر میں داخل نہ ہونا:

**– حَدَّثَنِي سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: وَاعَدَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي سَاعَةٍ يَأْتِيهِ فِيهَا، فَجَاءَتْ تِلْكَ السَّاعَةُ وَلَمْ يَأْتِهِ، وَفِي يَدِهِ عَصًا، فَأَلْقَاهَا مِنْ يَدِهِ، وَقَالَ: "مَا يُخْلِفُ اللهُ وَعْدَهُ وَلَا رُسُلُهُ"، ثُمَّ الْتَفَتَ، فَإِذَا جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ سَرِيرِهِ، فَقَالَ: "يَا عَائِشَةُ، مَتَى دَخَلَ هَذَا الْكَلْبُ هَاهُنَا؟" فَقَالَتْ: وَاللهِ، مَا دَرَيْتُ، فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ، فَجَاءَ جِبْرِيلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَاعَدْتَنِي فَجَلَسْتُ لَكَ فَلَمْ تَأْتِ."، فَقَالَ: "مَنَعَنِي الْكَلْبُ الَّذِي كَانَ فِي بَيْتِكَ، إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ."(صحيح مسلم، بَابُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ: 3/ 1664)**

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے ایک وقت میں آنے کا وعدہ کیا، جب وہ وقت آیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف نہ لائے (اس وقت) آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ایک لکڑی تھی، آپ ﷺ نے وہ لکڑی پھینک دی، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر اپنے وعدہ کیخلاف نہیں کرتے، پھر ادھر اُدھر دیکھا تو تخت کے نیچے ایک کتے کے پلے پر نظر ٹھہری، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کتا یہاں کب داخل ہوا؟ تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اللہ کی قسم میں نہیں جانتی، آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہ کتا باہر نکال دیا گیا، تو اسی وقت حضرت جبرائیل تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا، لیکن آپ نہیں آئے، تو انہوں نے فرمایا: مجھے اس کتے نے روکا جو آپ ﷺ کے گھر میں تھا، کیونکہ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں کتا یا تصویر ہو۔

**12 – حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ السَّبَّاقِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي مَيْمُونَةُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْبَحَ يَوْمًا وَاجِمًا، فَقَالَتْ مَيْمُونَةُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَقَدِ اسْتَنْكَرْتُ**

هَيْئَتَكَ مُنْذُ الْيَوْمِ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ وَعَدَنِي أَنْ يَلْقَانِي اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِي، أَمْ وَاللهِ مَا أَخْلَفَنِي"، قَالَ: فَظَلَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَهُ ذَلِكَ عَلَى ذَلِكَ، ثُمَّ وَقَعَ فِي نَفْسِهِ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَنَا، فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهُ، فَلَمَّا أَمْسَى لَقِيَهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ لَهُ: "قَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِي أَنْ تَلْقَانِي الْبَارِحَةَ."، قَالَ: "أَجَلْ، وَلَكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ."، فَأَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ فَأَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، حَتَّى إِنَّهُ يَأْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيرِ، وَيَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيرِ.

(صحيح مسلم، بَابُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ: 3/ 1664)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھ سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: ایک دن صبح کو رسول اللہ ﷺ خاموش تھے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں آج صبح ہی سے آپ کی حالتِ مبارکہ میں تبدیلی دیکھ رہی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے آج رات مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ مجھے ملے نہیں، اللہ کی قسم انہوں نے کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی، پھر سارا دن رسول اللہ ﷺ اسی طرح رہے، پھر آپ ﷺ کے دل میں ایک کتے کے بچے کا خیال آیا جو کہ ہمارے بستر کے نیچے تھا، تو آپ ﷺ نے فوراً اس کو نکالنے کا حکم فرمایا، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک میں پانی لے کر اس جگہ پر چھڑک دیا، جب شام ہوئی تو حضرت جبرائیل (علیہ السلام) ملاقات کے لئے تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا: آپ نے گزشتہ رات مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا، جبرائیلؑ نے فرمایا: ہاں! لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو، پس رسول اللہ ﷺ نے اسی دن صبح کو کتوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے چھوٹے باغ کا کتا قتل کرنے کا حکم دے دیا، اور بڑے باغ کے کتے کو چھوڑ دیا۔

جس گھر میں تصویر ہو فرشتوں کا اس گھر میں داخل نہ ہونا:

13 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى البَابِ، فَلَمْ يَدْخُلْهُ، فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الكَرَاهِيَةَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ، وَإِلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا أَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا بَالُ هَذِهِ النُّمْرُقَةِ؟" قُلْتُ: اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ

أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يَوْمَ القِيَامَةِ يُعَذَّبُونَ، فَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ" وَقَالَ: "إِنَّ البَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لا تَدْخُلُهُ المَلائِكَةُ."

(صحيح البخارى، باب التجارة فيما يكره لبسه للرجال والنساء: 3/ 63)

ترجمہ: قاسم بن محمدؒ سے روایت ہے کہ: مجھے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: انہوں نے ایک گدّا (چھوٹا تکیہ) خریدا جس میں تصویریں تھی، جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا، تو دروازے میں کھڑے ہو رہے اور اندر تشریف نہیں لائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ گدا کیسا ہے؟ میں نے کہا: آپ ﷺ کے بیٹھنے اور تکیہ لگانے کے لیے اسے میں نے خریدا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ان تصویروں کے بنانے والوں کو عذاب دیا جائیگا، ان سے کہا جائے گا جس چیز کی تم نے تخلیق کی تھی اسے زندہ کرو، نیز ارشاد فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔

14 - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا طَلْحَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لا تَدْخُلُ المَلائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ، وَلاَ صُورَةُ تَمَاثِيلَ." (صحيح البخارى، بَابُ إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ: آمِينَ وَالمَلائِكَةُ فِي السَّمَاءِ، آمِينَ فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ: 4/ 114)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے سنا، فرماتے تھے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو، اور نہ اس گھر میں جس میں مجسموں کی تصویر ہو۔

15 - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ أَبِي الْحُبَابِ، مَوْلَى بَنِي النَّجَّارِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ، وَلَا تَمَاثِيلُ."

(صحيح مسلم، بَابُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ: 3/ 1666)

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو، اور نہ اس میں جس میں تصویریں ہوں۔

گھروں میں تصویروں سے ممانعت:

**16 – حدّثنا يوسف بن مُسَلَّم، قال: حدّثنا حجاج، عن ابن جريج، قال: أخبرني أبو الزبير، أنه سمع جابر بن عبد الله، أن رسول الله –صلى الله عليه وسلم– نهى عن الصور في البيت، ونهى الرَّجل أن يصنع ذلك فيها، وأن النّبيّ –صلى الله عليه وسلم– أمر عمر زمن الفتح أن يأتي الكعبة، فيمحو كلّ صورة فيها، ولم يدخل البيت حتّى محيت كلّ صورة فيه. (مستخرج أبي عوانة، بيان التشديد في اتخاذ الصور في البيوت، والأمتعة التي فيها الصور[وأنها على الستور أبلغ في الكراهية، منها على ما يوطأ، والنهي عن إمساك الكلاب] والعلَّة التي لها نُهي عنها: 17/ 20)**

ترجمہ: ابوالزبیرؒ نے بیان کیا کہ: انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ: حضور نبی کریم ﷺ نے گھروں میں تصاویروں سے منع فرمایا، اور انسان کو ہر گھر میں تصویر بنانے سے منع کیا، اور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے موقع پر حکم فرمایا کہ: وہ خانہ کعبہ جائیں، اور اس میں موجود ہر تصویر کو مٹادیں، اور نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہوئے یہاں تک کے خانہ کعبہ میں موجود ہر تصویر کو مٹادیا گیا۔

تصاویر والی جگہ میں نماز پڑھنے کی کراہیت:

**17 – حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَارِثِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ العَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ، سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمِيطِي عَنِّي، فَإِنَّهُ لاَ تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلاَتِي."**

**(صحيح البخاري، باب كراهية الصلاة في التصاوير: 7/ 168)**

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک باریک پردہ تھا جو انہوں نے گھر کے ایک جانب لٹکایا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ پردہ ہٹاؤ، ہمیشہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے آتی ہیں۔

تصویر بنانے والے کو قیامت کے دن تصویر زندہ کرنے کا مکلّف بنانا:

**18 –حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ المُنْذِرِ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هَذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ القِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ."**

**(صحيح البخاري، بَابُ عَذَابِ المُصَوِّرِينَ يَوْمَ القِيَامَةِ: 7/ 167)**

ترجمہ: نافعؒ سے مروی ہے کہ: انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ: رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: جولوگ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائیگا، ان سے کہا جائے گا: تم نے بنایا، اسے زندہ کرو۔

تصویر بنانے پر سخت وعید:

**19 – حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، وَأَبُو كُرَيْبٍ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ، قَالُوا: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي دَارِ مَرْوَانَ فَرَأَى فِيهَا تَصَاوِيرَ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ خَلْقًا كَخَلْقِي؟ فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً، أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً."**

**(صحيح مسلم، بَابُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ: 3/ 1671)**

ترجمہ: ابوزرعہؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ: میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروان بن حکم کے گھر داخل ہوا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس میں تصاویر دیکھیں، تو آپ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو میری مخلوق کی طرح پیدا کرنے چلا ہے، پس ان کو چاہیے کہ ایک چیونٹی پیدا کریں، یا گندم کا ایک دانہ پیدا کریں، یا جو کا ایک دانہ پیدا کریں۔

تصویر بنانے والے پر لعنت:

**20 – أَخْبَرَنَا أَبُو خَلِيفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبِي اشْتَرَى حَجَّامًا، فَأَتَى بِمَحَاجِمِهِ فَكُسِرَتْ، فسألته عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ، وَثَمَنِ الْكَلْبِ، وَكَسْبِ الْبَغِيِّ، وَلَعَنَ الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ، وآكل الربا وموكله، ولعن المصور. (صحيح ابن حبان، ذِكْرُ لَعْنِ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِينَ يُصَوِّرُونَ الْأَشْيَاءَ: 13/162–163)**

ترجمہ: عون بن ابوجحیفہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد کو دیکھا انہوں نے ایک پچھنے لگانے والا غلام خریدا، وہ اپنے ساتھ پچھنہ لگانے کے آلات لے آیا، پس وہ توڑ دی گئیں، میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے خون نکالنے کی اُجرت، کتے کی قیمت اور زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا، اور گودنا گودنے والی اور گدوانے والی عورت، اور سود کھانے والے اور کھلانے والے، اور تصویر بنانے والے پر لعنت بھیجی۔ (جاری ہے۔)

☆☆☆☆

مولانا خیر الامین قاسمی، مردان

# صفاتِ باری تعالیٰ میں جائز ومناسب تاویل بدعت نہیں ہے

بندہ نے مجلّہ ''صفدر'' میں مسئلہ صفاتِ باری تعالیٰ کے عنوان پر ایک مستقل سلسلہ شروع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ درستگی، اخلاص اور استقامت نصیب فرمائیں۔ صفاتِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں اہل سنت کے دو مذاہب ہیں: [۱]-تفویض۔[۲]-تاویل۔ جس کی تفصیل گزشتہ شماروں میں پیش کی جا چکی ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ میں تاویل کا راستہ اختیار کرنے کو غیر مقلدین بدعت قرار دیتے ہیں۔ اِس لیے زیرِ نظر مضمون میں تاویل سے متعلق چند گزارشات پیش خدمت کی جارہی ہیں۔

سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ بعض صفاتِ باری تعالیٰ کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے تاویل کا راستہ اختیار کرنا متاخرین اہل سنت کا مذہب ہے، لہٰذا اِسے بدعت کہنا علماءِ اہل سنت پر بداعتمادی کے مترادف ہے۔ اِس مقام پر تاویل کے جواز کے لیے بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلامُ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جب اس میں تاویل ہوسکتی ہے تو دوسری صفات میں کیوں نہیں ہوسکتی؟

تاویل کے چند معانی:

۱-تفسیر۔

۲-بیانِ حقیقت۔

جیسے: **هذا تأويل رؤياى** [یوسف: ۱۰۰] یعنی یہ میرے خواب کی تعبیر یعنی بیان حقیقت ہے۔

۳-**صرف الكلام من الظاهر الى خلاف الظاهر لوجود قرينة.**

یعنی قرینے کی بناء پر کلام کو اس کے ظاہری معنی سے خلاف ظاہر کی طرف پھیرنا۔

مسئلہ صفات باری تعالیٰ میں جب تاویل کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی تیسرا معنی مراد ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث سے تاویل کی چند مثالیں: قرآنی مثالیں:

مثال ۱)-اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''**نسوا الله فنسيهم**'' [توبہ: ٦٧]

اسی طرح ''**انا نسينكم**'' [سجدہ: ۱۴]

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ''نسیان'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، لیکن کوئی بھی مسلمان اللہ تعالیٰ کے لیے نسیان کا ظاہری معنی مراد نہیں لیتا۔ کیونکہ دوسری نصوص میں اللہ تعالیٰ نے

اپنی ذات سے نسیان کی نفی فرمائی ہے۔ چنانچہ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**وما کان ربک نسیا**۔'' [مریم:۶۴] اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

یہاں غیر مقلدین بھی ظاہری معنی مراد نہیں لیتے ورنہ تعارض لازم آئے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف نسیان کی نسبت کی جائے تو کفر لازم آئے گا۔ نسیان سے ہٹ کر کوئی معنیٰ کیا جائے تو وہ تاویل کہلائے گا۔

مثال۲)-**او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء**.[مائدہ:۶]

اس آیت میں لفظ ''**الغائط**'' آیا ہے، جس کا ظاہری معنی ہے: پست اور نشیب میں واقع زمین۔ تو ظاہری معنی کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ ہوگا کہ: ''جو تم میں سے نشیب والی زمین سے لوٹ کر آئے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔'' جبکہ یہ معنی بالاتفاق غلط ہے۔ ورنہ پھر تو ہر وہ شخص جو پست زمین سے ہو کر آئے اس کا وضو ٹوٹ جانا چاہیے۔ یہاں باتفاق علماء قضائے حاجت مراد ہے۔ جو کہ لفظ کا ظاہری معنی نہیں۔ لہٰذا یہ بھی ایک تاویل ہے۔

مثال۳)-**او لمستم النساء** کے متعلق حضرت سعید ابن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ موالی (غیر عرب) اور عرب کا اختلاف ہے، موالی کہتے ہیں کہ اس سے مس بالید مراد ہے اور عرب کہتے ہیں کہ اس سے جماع مراد ہے۔ تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا: ''**غلبت الموالی**'' موالی ہار گئے۔ اس سے مراد جماع ہے۔ [السنن الکبری بیھقی باب الوضوء من الملامسة:۱/۱۲۵]

اب اس آیت میں لفظ **لامستم النساء** وارد ہے یعنی لمس بالید۔ جبکہ صحابی رسول کے بقول ظاہری معنی مراد نہیں، بلکہ جماع مراد ہے جو ایک تاویل ہی ہے۔

۴)-**ان تنصر الله ینصر کم**.[محمد:۷]

اِس آیت کا ظاہری معنی اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کا ہے۔ اور یہ معنی مراد لینا کفر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں نہ وہ کسی کا محتاج ہے۔ بلکہ یہاں اللہ کے دین کی مدد مراد ہے۔ جو کہ ظاہری معنی سے ہٹ کر ایک تاویل ہی کا راستہ ہے۔

۵)-**من کان فی هذه اعمی فهو فی الآخرة اعمی**.[بنی اسرائیل:۷۲]

اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ: جو لوگ دنیا میں نابینا ہیں، وہ آخرت میں بھی اندھے ہی ہوں گے۔ اور بالاتفاق یہ معنی مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہاں اعمیٰ سے مراد گمراہی ہے۔

چند احادیث ملاحظہ کریں:

۱)-**سباب المسلم فسوق وقتاله کفر**. (**بخاری شریف باب خوف المومن من ان**

**یحبط عمله وهو لایشعر)** اس روایت میں **وقتاله کفر** کے الفاظ ہیں، جن کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، مسلمان کا محض قتل کفر نہیں گناہ کبیرہ ہے۔ ہاں اگر قتل حرام کو حلال سمجھے تو پھر کفر ہے۔ اور یہ تاویل ہے۔

۲)۔**واللہ لایومن، واللہ لایومن، واللہ لایومن... قیل: ومن یارسول اللہ؟ قال: الذی لایامن جارہ بوایقه.(بخاری باب اثم من لایامن جارہ بوایقه)** کسی شخص سے اس کا ہمسایہ امن میں نہیں تو حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ وہ مومن نہیں ہے، جبکہ حدیث جبریل میں ایمانیات میں اس کا ذکر نہیں۔ تو لامحالہ ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مطلب ہے کہ کامل مومن نہیں۔ اور یہ تاویل ہے۔

۳)۔**یاابن آدم مرضت فلم تعدنی، قال یارب کیف اعودک وانت رب العالمین، قال: اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده، اما علمت انک لوعدته لوجدتنی عنده.(صحیح مسلم** ۴/۱۹۹۰ رقم الحدیث: ۲۵۶۹) اس حدیث میں دو جگہ تاویل ہے: نمبر ایک **مرضتُ** میں کیونکہ اللہ تعالیٰ مرض اور سقم سے پاک ہے تو خود اللہ تعالیٰ ہمیں تاویل سکھا رہے ہیں کہ اس لفظ کا ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ میرے مرض سے مراد میرے بندے کا مرض ہے۔

نمبر دو: **لوجدتنی عنده.** کا مطلب ہے کہ میرے ثواب کو پالیتے۔ اور اس لفظ کا ظاہری معنی غیر مقلدین بھی مراد نہیں لیتے کیونکہ ظاہری معنی ہے کہ تم مجھے وہاں پالیتے۔ جبکہ غیر مقلدین کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ ہے۔ تو **لوجدتنی عنده** کا معنی ثواب اور کرامت سے کیا جاتا ہے، جو تاویل ہے۔

۴)۔**تاتی سورۃ البقرۃ وسورۃ الملک.** (کتاب الاسماء والصفات ۹) اس حدیث میں ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ اتیان سے مراد اتیان الثواب ہے۔ جو تاویلی معنی ہے۔

۵)۔**عن ابی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: سیحان وجیحان والفرات والنیل کل من انہار الجنة .(مسلم، باب مافی الدنیا من انہار الجنة رقم ۲۸۳۹)** اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ یہ چاروں نہریں جنت کی نہریں ہے، جبکہ یہ چاروں دنیا میں بہہ رہی ہیں نہ کہ جنت میں۔ پتہ چلا کہ ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ محدثین مطلب بیان کرتے ہیں کہ جنت کا مطلب یہ ہے کہ برکت والا پانی ہے۔ اور یہ تاویل ہے۔ **تلک عشرۃ کاملة.**

غیر مقلدین بھی تاویل کے قائل ہیں۔ چند مثالیں:

۱)۔**الا انه بکل شیء محیط.** (فصلت: ۵۴) وہ ہر چیز کو احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ اس کی تاویل غیر مقلدین ''علمی احاطہ'' کے ساتھ کرتے ہیں۔ **ای علمه لکل شیء محیط.**

۲)۔**وهو اللہ فی السموات وفی الارض.**[ انعام: ۳] وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور

زمین میں بھی۔ غیر مقلد یہاں بھی کہتے ہیں کہ اللہ کا علم آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یہ بھی تاویل ہے جو اُن کے ہاں بدعت ہے۔ یوں غیر مقلدین خود اپنی نظر میں بدعتی قرار پائے۔

۳)-**وھو معکم این ما کنتم.** [حدید:۴] تم جہاں کہیں ہو، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ یہاں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ''**بعلمه**'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ باعتبار علم کے ہے۔ یہ بھی تاویل ہے۔

۴)-**ونحن اقرب الیه من حبل الورید.** [ق:۱۶] ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ غیر مقلد یہاں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علم کے اعتبار سے قریب ہے۔ یہ بھی تاویل ہے۔

۵)-**فاینما تولو فثم وجه الله.** تم جس طرف بھی رخ کرو، وہیں اللہ کا وجہ ہے۔ یہاں غیر مقلدین ''وجہ'' کی تاویل علم اور قدرت سے کرتے ہیں۔ لہٰذا جو فتوی دوسروں کے لیے ہے کیا اپنے لیے بھی تجویز کریں گے یا قوم شعیب کی طرح اِن کے بھی لینے کے باٹ اور ہیں دینے کے اور..!؟

اہل علم جانتے ہیں کہ بعض اوقات تاویل ضروری ہو جاتی ہے، مثلاً:

ایک جگہ ہے: **یداللہ فوق ایدیھم.** [فتح:۱۰] دوسری جگہ ہے: **بل یداہ مبسوطتن.** [مائدہ: ۶۴] تیسری جگہ ہے: **مما عملت ایدینا.** [یس:۷۱] پہلی آیت میں **ید** صیغہ واحد ہے، دوسری میں **یدان** تثنیہ ہے اور تیسری میں **ایدینا** جمع کا صیغہ ہے۔ اب تعارض ہوا کہ کتنے ہاتھ ہیں۔ یہاں اگر تاویل نہیں کریں گے تو دفع تعارض کی صورت کیا ہوگی؟

تعارض ختم کرنے کے لیے غیر مقلدین بھی تاویل کرتے ہیں کہ یدین حقیقت پر محمول ہے۔ باقی دونوں جگہ ید سے جنس مراد لیتے ہیں اور جمع سے مافوق الواحد۔ اور یہ تاویلات ہیں۔

۲)-**کل شیء ھالک الا وجھه.** [قصص:۸۸] یہاں اگر تاویل نہ کی جائے تو العیاذ باللہ کیا یہ ترجمہ ہوگا کہ وجہ کے علاوہ ہاتھ پاؤں سب کچھ ہلاک ہونے والا ہے؟

۳)-**لیس کمثله شیء.** [شوریٰ:۱۱] یہاں اگر تاویل نہ کی جائے تو مطلب ہوگا: **لیس مثل مثله شیء.** اس لیے کہ کاف بھی مثلیہ ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کی مثل نہیں۔ یعنی اللہ کی مثل تو (نعوذ باللہ) ہوسکتی ہے، مثل کی مثل نہیں ہوسکتی۔

مندرجہ بالا آیات اور احادیث ببانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ تاویل بدعت نہیں بلکہ جائز اور بعض جگہ ضروری ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار سلف وخلف کے حوالہ جات تاویل کے جواز پر موجود ہیں جو اگلے مضمون میں سپرد قلم کروں گا۔ اِن شاء اللہ۔ یار زندہ صحبت باقی!

☆......☆......☆......☆

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب — مفتی رب نواز حفظہ اللہ

# علی زئی جواب پر ایک نظر

قسط: ۱۱

**زبیر علی زئی:**

آٹھ رکعت تراویح[۵۶۰] باجماعت[۵۶۱] کے بارے میں عیسی بن جاریہ تابعی (رحمہ اللہ) کی بیان کردہ حدیث کو ابن خزیمہ (۱۰۷۰) اور ابن حبان (الاحسان: ۲۴۰۱، ۲۴۰۶) نے صحیح قرار دیا، مگر آل دیوبند[۵۶۲] اس حدیث کو ضعیف سمجھتے ہیں اور اس کے دو راویوں عیسی[۵۶۳] بن جاریہ اور یعقوب[۵۶۴] بن عبد اللہ القمی پر جرح کرتے ہیں، حالاں کہ یہ دونوں مختلف فیہ راوی ہیں اور جمہور نے انہیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔

(دیکھئے میری کتاب[۵۶۵]: تعداد رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۱۹۔۲۰)

سرفراز خان صفدر دیوبندی[۵۶۶] نے لکھا ہے:

''باایں ہمہ[۵۶۷] ہم نے توثیق وتضعیف میں جمہور ائمہ جرح وتعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ (احسن الکلام ۱/۶۱)

ظفر احمد تھانوی نے لکھا ہے:

اگر راوی مختلف فیہ ہو تو وہ حسن الحدیث ہوتا ہے اور اس کی حدیث حسن ہوتی ہے۔

(قواعد فی علوم الحدیث مترجم ص ۷۷)

عبد الرحمٰن بن اسحاق الکوفی الواسطی ایک مختلف فیہ راوی ہے لیکن جمہور نے اسے ضعیف[۵۶۸] قرار دیا ہے، اس کے بارے میں شبیر احمد دیوبندی نے لکھا ہے:

''یاد رہے کہ اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی پر جرح بھی ہو اور محدثین نے اس کی تعدیل و توثیق بھی کی ہو تو اس کی حدیث ''حسن'' درجہ کی ہوتی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث: ۷۵) تو اصولی طور پر یہ راوی حسن الحدیث درجے کا ہے، ضعیف نہیں۔ لہٰذا یہ روایت صحیح وحجت ہے، اعتراض باطل ہے۔''

(الیاس گھمن کا قافلہ جلد ۶ شمارہ ۴ ص ۵۱)

مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں دیوبندیوں نے اپنا یہ مختلف فیہ والا اصول توڑ کر پسِ پشت پھینک[۵۶۹] دیا ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ دوغلی پالیسی[۵۷۰] پر گامزن ہیں۔

**الجواب:**

**۵۶۰** علی زئی سمیت آلِ غیر مقلدیت کے ہاں تراویح، تہجد اور وتر ایک ہی نماز کے متعدد نام ہیں۔

چنانچہ امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان لکھتے ہیں:

''صحیح یہ ہے کہ تراویح، تہجد، وتر صلوٰۃ اللیل سب ایک ہی ہیں۔'' [تیسیر الباری:۲/۷۷]

منیر احمد قمر غیر مقلد لکھتے ہیں:

''نماز تراویح، قیام اللیل، صلوٰۃ اللیل اور تہجد: غرض یہ چاروں نام ایک ہی نماز کے ہیں، سال کے گیارہ مہینوں میں جو نماز دوسرے تین ناموں سے پڑھی جاتی ہے اسے ہی ماہِ رمضان میں تراویح کے نام سے ادا کیا جاتا ہے۔'' [نماز تراویح:۲۲ ناشر: توحید پبلیکیشنز بنگلور]

خود علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''تہجد، تراویح، قیام اللیل، قیام رمضان اور وتر ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔''

[تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ:۱۶، طبع مکتبہ اسلامیہ]

جب غیر مقلدین کے بقول تہجد و تراویح ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں اور انہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ تہجد کی رکعتیں آٹھ اور کم و بیش پڑھنا جائز اور ثابت ہے۔ تو آٹھ رکعات پر انحصار کیوں؟

مزید یہ کہ جب تراویح اور وتر ایک ہی نماز ہے تو تراویح پڑھ لینے کے بعد وتر کی اور وتر پڑھ چکنے کی صورت میں تراویح کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایک اور بات بھی معلوم رہے کہ غیر مقلدین کے ہاں وتروں کی تعداد بھی مختلف: ایک، تین اور پانچ ہے لہٰذا جب ان کے نزدیک وتر اور تراویح ایک ہی نماز ہے تو انہیں تراویح ایک، تین اور پانچ پڑھنے کا قائل ہونا چاہیے۔ ویسے ان کے ''محدث العصر'' البانی نے انہیں یہ سہولت فراہم کر دی ہے۔

چنانچہ انہوں نے وتر سمیت تراویح کی تیرہ، گیارہ اور نو رکعتیں پڑھنے کے متعدد طریقے بیان کرنے کے بعد کہا:

''قیام اللیل (تراویح) کے یہ وہ چند طریقے اور کیفیات ہیں، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص طریقہ پر ثابت ہیں، ممکن ہے کہ ان طریقوں میں مزید کچھ طریقوں کا اضافہ ہو۔ مثلاً مذکورہ ہر طریقہ میں مذکورہ رکعتوں کے اندر جتنی رکعتوں کی تخفیف کر کے پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی تخفیف کر کے صرف ایک ہی رکعت پڑھنے پر اکتفاء کرنا چاہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی روشنی میں کر سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاہے پانچ رکعات وتر پڑھے، جو چاہے تین رکعات پڑھے، اور جو چاہے صرف ایک رکعت وتر پڑھے۔'' [تراویح اور اعتکاف مترجم:۳۱، ۳۲ ترجمہ اشفاق سجاد سلفی۔ ناشر: جمعیۃ الامام ابن باز التعلیمیۃ الخیریۃ جھارکھنڈ انڈیا]

## ۵۶۱

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نماز تراویح کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’سمیت الصلوۃ فی الجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح لانھم اول ما اجتمعوا علیھا کانوا تریحون بین کل تسلیمتین.‘‘

جو نماز رمضان کی راتوں میں با جماعت ادا کی جاتی ہے اس کا نام تراویح رکھا گیا ہے۔اس لئے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلی مرتبہ اس نماز پر مجتمع ہوئے تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد ترویحہ یعنی آرام کیا کرتے تھے۔

[فتح الباری: ۳۱۵/۴ بحوالہ رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ: ۳۲، تالیف حافظ ظہور احمد الحسینی دام ظلہ]

غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے:

’’نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہِ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد با جماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام تراویح اس لئے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے کیوں کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنیٰ ایک دفعہ آرام کرنے کے ہیں۔‘‘ [فتاویٰ علمائے حدیث: ۲۴۱/۶]

اس تشریح کے پیشِ نظر عرض ہے کہ عربی میں جمع کے کم از کم افراد تین ہیں، اس لیے تراویح کا لفظ آٹھ پر صادق نہیں آتا، اس کے لیے کم از کم بارہ رکعات ضروری ہیں۔

## ۵۶۲

عرض ہے کہ عیسی بن جاریہ کی آٹھ رکعت والی روایت ضعیف ہی ہے۔اور متعدد آلِ غیر مقلدیت اسے بطورِ استدلال پیش کرنے سے دست بردار ہو گئے۔

علی زئی صاحب کے استاد عبد المنان نور پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کی تعداد رکعات کے اثبات کا مدار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں۔ [تعداد تراویح مشمولہ مکالمات نور پوری: ۳۳۰]

کسی نے پوچھا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی آٹھ رکعات والی روایتوں کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟

علی زئی صاحب کے شاگرد غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری غیر مقلد نے اس کا یوں جواب دیا:

’’یہ دونوں روایتیں منکر و غیر محفوظ ہیں۔عیسی بن جاریہ اگر چہ حسن الحدیث ہے، مگر اس کی منکر

روایات ہیں، ان روایات کو عیسیٰ بن جاریہ سے صرف یعقوب بن عبداللہ قمی نے بیان کیا ہے، اگرچہ یہ بھی حسن الحدیث ہے، مگر امام دارقطنی رحمہ اللہ (العلل: ۹۲/۳) نے ''لیس بالقوی'' کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ یہ ''وہم وخطا'' کا شکار ہو جاتا تھا۔ اس کی تائید حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی ہو جاتی ہے: صدوق یَھِـــمُ، صدوق ہے، مگر وہم کا شکار ہو جاتا تھا۔'' (تقریب التہذیب: ۷۸۲۲) امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عِنْدَہٗ اَحَادِیْثُ مَنَاکِیْرُ، اس کی منکر احادیث ہیں۔'' (تاریخ ابن معین بروایۃ الدوری: ۴۸۲۵) نیز فرماتے ہیں: حَدِیْثُہٗ لَیْسَ بِذَاکَ، اس کی حدیث قوی نہیں۔'' (تاریخ ابن معین بروایۃ الدوری: ۴۸۱۰) امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُنْکَرٌ، یہ منکر (الحدیث) ہے۔'' (الضعفاء والمتروکون: ۴۲۳) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس کی روایات کو ''غیر محفوظ'' قرار دیا ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال: ۴۳۷/۶) امام ابن عدی رحمہ اللہ نے عیسی بن جاریہ کی غیر محفوظ روایات میں مذکورہ بالا دونوں روایتوں کو بھی شمار کیا ہے۔ حافظ ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ''غیر محفوظ'' کہا ہے۔ (ذخیرۃ الحفاظ: ۱۱۹۴/۲)''....[فتاویٰ امن پوری قسط: ۱۴۵ صفحہ ۲، ۳]

عیسی بن جاریہ کی آٹھ رکعات والی دو روایتوں کے متعلق ایوب صابر غیر مقلد نے لکھا:

''مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ہم نے بطور شواہد پیش کی ہیں۔''[تحقیق تراویح: ۲۲]

عبدالرؤوف سندھو غیر مقلد نے عیسی بن جاریہ کی آٹھ رکعت والی روایت کے متعلق لکھا:

''ضعیف ہے۔''[القول المقبول: ۵۰۶ طبع چہارم]

ابو عمار سمیع اللہ غیر مقلد نے آٹھ رکعت والی روایت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا:

''دا حدیث ضعیف دے، یہ حدیث ضعیف ہے۔''[تراویح سور کعاتہ دی؟: ۲۲]

## ۵۶۳

عیسی بن جاریہ پر محدثین کی جرح کے چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

یحیٰ بن معین نے کہا:

اس سے یعقوب القمی نے روایت بیان کی ہے، ہم نہیں جانتے کہ کسی دوسرے نے اس سے روایت بیان کی ہے اور اس کی حدیث قوی نہیں ہے۔[تاریخ ابن معین، روایۃ عباس الدوری: ۴۸۱۰]

ابن عدی نے کہا:

''وکلھا غیر محفوظۃ'' اور (عیسی بن جاریہ کی) تمام حدیثیں (بشمول آٹھ رکعات تراویح

والی حدیث) غیر محفوظ (شاذ) ہیں۔[الکامل:۱۸۸۹/۵، دوسرا نسخہ:۴۳۸/۶]

نسائی نے فرمایا: اس سے یعقوب القمی روایت کرتا ہے، منکر ہے۔[کتاب الضعفاء:۴۲۳]

العقیلی نے عیسی بن جاریہ کو اپنی کتاب الضعفاء میں ذِکر کیا ہے۔[۲۳۸/۲، دوسرا نسخہ ۱۰۸۳/۳،۱]

ابن الجوزی نے عیسی بن جاریہ کو اپنی کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔[۲۳۸/۲ ت ۲۶۳۷]

**تنبیہ:** عیسی بن جاریہ کے مجروح ہونے کے مذکورہ حوالے علی زئی کی کتاب ''علمی مقالات :۵۲۶،۵۲۵/۱'' سے منقول ہیں۔

خود آلِ غیر مقلدیت نے ''عیسی بن جاریہ'' کو مجروح قرار دیا ہے۔ثبوت حاضر ہیں۔

نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام ابوداود اور حافظ ابن حجر یہی دو حضرات ایسے ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ نہ متشدد ہیں اور نہ متساہل۔امام ابوداود نے بے شک عیسی بن جاریہ کو منکر الحدیث کہا ہے۔یہی جرح امام نسائی نے بھی کی ہے۔''[انوار المصابیح:۱۱۲]

علی زئی صاحب کے استاد عبدالمنان نور پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اس کی سند میں عیسی بن جاریہ ہے جس پر کلام کتب رجال میں مذکور ہے۔''

[تعداد تراویح مشمولہ مکالمات نور پوری:۳۳۰]

عبدالرؤوف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اس کی سند عیسی بن جاریہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔''[القول المقبول:۵۰۶ طبع چہارم]

سندھو صاحب نے یہی عبارت صفحہ ۵۱۰ پر بھی درج کی ہے۔

عبدالمتین غیر مقلد نے بلا تردید نقل کیا:

''عیسی بن جاریۃ فیہ لین۔''[حدیث خیر وشر:۹۷] عیسی بن جاریہ میں کمزوری ہے۔

ابو عمار سمیع اللہ غیر مقلد آٹھ رکعت والی روایت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''**دا حدیث ضعیف دے ز کہ چہ د سند مدار پہ عیسی بن جاریہ دے ... او عیسی بن جاریہ ضعیف دے .**''،یہ حدیث ضعیف ہے، کیوں کہ سند کا دارومدار عیسی بن جاریہ پر ہے ...اور عیسی بن جاریہ ضعیف ہے۔''[تراویح سورکعاتہ دی؟:۲۲،۲۳]

ابوسعید محمد بن شیخ عبدالسلام الرستمی غیر مقلد نے روایت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا:

''خود دی حدیث پہ سند کی دو ، کسان دا سی دی چہ هغوی متکلم فیه دی ، یو یعقوب القمی دے ... دویم سڑی پہ دی حدیث کی عیسی بن جاریہ دے ،اس حدیث کی سند میں دوایسے راوی ہیں جومتکلم فیہ ہیں،ایک یعقوب قمی ہے....اوردوسرااس حدیث میں عیسی بن جاریہ ہے۔''[تراویح کی عدد معین شۃ؟:۴۹]

عبدالمتین،ابوعماراورابوسعید کے مذکورہ بالاحوالے حضرت مولانا عبدالرحمٰن حفظہ اللہ (پشاور) نے فراہم کیے ہیں، جزاہم اللہ۔انہوں نے کہاہے کہ ابوسعید مذکور نے اس جگہ یعقوب قمی اورعیسی بن جاریہ دونوں پرمفصل جرح نقل کی ہے۔

## ۵٦٤

یعقوب بن عبداللہ القمی کومتعدد غیرمقلدین نے مجروح قراردیاہے۔

غیرمقلدین کے مسلم پیشوا قاضی شوکانی نے ایک روایت کوضعیف قراردیتے ہوئے کہا:

''وفی اسنادہ یعقوب بن عبد اللہ القمی و جعفر بن ابی المغیرۃ القمی وفیهما مقال، اس کی سند میں یعقوب بن عبداللہ قمی اورجعفربن مغیرہ قمی ہیں اوردونوں میں کلام ہے۔

[نیل الاوطار:۴/۲۸۷]

علی زئی صاحب کی زبانی ''امام المحدثین'' کالقب پانے والے شیخ البانی غیرمقلدایک روایت کو ضعیف قراردیتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' یعقوب القمی وھو ابن عبد اللہ صدوق یھم کما فی التقریب ،یعقوب قمی بن عبداللہ سچاہےلیکن وہمی ہے جیساکہ تقریب التھذیب میں ہے۔''[سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:۴/۳۴۴]

شوکانی اورالبانی کے مذکورہ حوالے بندہ نے حافظ ظہوراحمدالحسینی کی کتاب ''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ:۳۳۸'' سے نقل کیے ہیں۔

ابوسعید محمد بن شیخ عبدالسلام الرستمی غیرمقلد نے بھی اپنی کتاب ''تراویح کی عدد معین شۃ؟:۴۹'' میں یعقوب قمی پرجرح نقل کی ہے،جیساکہ حاشیہ:۴٦۳ میں مذکورہوا۔

## ۵٦٥

''تعدادرکعاتِ قیام رمضان کاتحقیقی جائزہ'' میں عیسی بن جاریہ کوجوثقہ قراردینے کی کوشش کی گئی ہے حافظ ظہوراحمدالحسینی دام ظلہ نے علی زئی کی زندگی ہی میں بیس صفحات پرمشتمل اس کاجواب دے دیا تھا:

جواب کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

’’زبیر صاحب نے عیسی بن جاریہ کو ثقہ اور حسن الحدیث ثابت کرنے کے لیے یہ جتنی شقیں ذکر کی ہیں باقرار غیر مقلدین ان میں سے ایک شق سے بھی اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ زبیر صاحب کی ذکر کردہ ہر ہر شق کا جواب خود اُن کے اور اُن کے ہم مسلک مستند علماء کے قلم سے ملاحظہ کریں۔‘‘

[رکعات تراویح، ایک تحقیقی جائزہ: ۳۱۶]

مذکورہ عبارت نقل کرنے سے غرض یہ بتانا ہے کہ ظہور صاحب نے عیسی بن جاریہ کے متعلق علی زئی کو آلِ غیر مقلدیت کے حوالوں سے جواب دیا ہے۔

## ۵۶۶

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے مقام و مرتبہ اور علمی خدمات کو متعدد غیر مقلدین نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ میری کتاب ’’غیر مقلدین کا علمائے دیو بند کو خراجِ تحسین‘‘ دیکھئے۔

## ۵۶۷

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے قول ’’بایں ہمہ ہم نے توثیق و تضعیف میں جمہور ائمہ جرح و تعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔‘‘ کو حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد نے پسند کیا، چنانچہ وہ احناف کے ایک گروہ کی بابت لکھتے ہیں:

’’یہ وہ گروہ ہے جو اکثر و بیشتر حدیث کی صحت وضعف کے اس معیار کو اور نقد و تحقیقِ حدیث کے ان اُصولوں کو تسلیم کرتا ہے جو محدثین کرام نے وضع اور مقرر کئے ہیں، جیسے شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر گکھڑوی جن کا انتقال کچھ عرصہ قبل ہی (غالباً ۲۰۰۹ء میں) ہوا ہے اور جنہوں نے حنفی مسلک کی تائید میں متعدد کتابیں تحریر کی ہیں...ان کی ایک کتاب مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں ’’احسن الکلام‘‘ کے نام سے ہے ...مولانا گکھڑوی مرحوم اپنی اس کتاب کے ابتدائیے میں لکھتے ہیں: ’’ہم نے بعض مقامات پر ائمہ جرح و تعدیل اور جمہور محدثین کرام کے مسلّمہ اور طے شدہ اصول وضوابط کے عین کے مطابق ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیئے ہیں، لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو وہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے تو اس کو بھی درخورِ اعتناء نہیں سمجھا، کیوں کہ فن رجال سے ادنیٰ واقفیت والے بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ کوئی بھی ایسا ثقہ (راوی) جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف (راوی) جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا

ہو، کبریتِ احمر کے مترادف ہے... بایں ہمہ ہم نے توثیق و تضعیف میں جمہور ائمہ جرح و تعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ مشہور ہے کہ زبانِ خلق کو نقارہ خدا سمجھو' (احسن الکلام :۱/۴۰، طبع دوم) مولانا مرحوم نے ثقہ اور ضعیف راویوں کی جرح و تعدیل کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سو فی صد درست ہے، اہلِ حدیث کو اس سے مکمل اتفاق ہے۔'' [مقدمہ ''الاصلاح'': ۳۰]

## ۵۶۸ھ

علی زئی صاحب نے ''عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی الواسطی'' کے متعلق دعویٰ کیا:

''جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے'' عرض ہے کہ یہ تو دعویٰ ہے...اس پر دلائل؟ علی زئی صاحب حوالہ جات پیش کرتے تو ہمیں غور و فکر کا موقع ملتا۔

## ۵۶۹ھ

عرض ہے کہ مؤمل بن اسماعیل جمہور کے ہاں ضعیف ہے، جیسا کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد: ۶۳/۵ میں کہا ہے۔ خود غیر مقلدین کے کئی لکھاریوں نے اسے ضعیف بتایا ہے۔ دیکھئے ہماری اسی کتاب کا حاشیہ: ۵۵۶۔

## ۵۷۰ھ

### غیر مقلدین کی دوغلہ پالیسی

مؤمل بن اسماعیل چوں کہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اس لئے علی زئی کی طرف سے دوغلہ پالیسی کا طعنہ غلط ہے۔ ہاں غیر مقلدین کے دوغلہ ہونے پر خود ان کی اپنی گواہیاں موجود ہیں۔

وکیل ولی قاضی (رکن شوری جمعیت اہلِ حدیث حیدر آباد) اپنے غیر مقلد علماء سے کی گئی ملاقاتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کئی علماء سے بالمشافہ بات چیت ہوئی اور مشہور مسائل تدلیس اور مروجہ حسن لغیرہ کی حجیت و عدم حجیت پر بات ہوئی تو اُن علماء کے پاس اطمینان بخش جواب نہیں تھا۔ کہیں کثرت طرق کی بنا پر کسی روایت کو حسن منوانے کی کوشش کی جاتی اور جب ہم فضیلت پندرہ شعبان جیسی روایت جو کثیر الطرق ہوتی پیش کرتے تو اُس کی ایک ایک سند کو ضعیف ثابت کر کے رد کر دیا جاتا۔ کہیں صحیح ابن خزیمہ کی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی سینے پر ہاتھ والی روایت کو سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عنعنہ کے باوجود صحیح باور کروایا جاتا اور مخالفت میں جامع ترمذی کی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع الیدین والی روایت کو سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عنعنہ

کی وجہ سے رد کر دیا جاتا۔ یہ ہے وہ دورُ خا منہج جس سے ہمیشہ دعوتی میدان میں اہلِ حدیث کو خفت کا سامنا کرنا پڑا۔'' [اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیادِ زبیر علی زئی: ۵۵۳]

حافظ شبیر احمد جمالی غیر مقلد (مدرس نواب شاہ سندھ) لکھتے ہیں:

''مروجہ حسن لغیرہ کی حجیت کے دعوے دار اپنے اصولوں کے تحت ان روایات کو حسن لغیرہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ ان کے اصول پر ان روایات کا ضعف خفیف ہے نہ کہ شدید۔ عدم رفع الیدین کی روایات۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع الیدین کی روایت (سنن ابی داود: ۷۴۸، سنن ترمذی: ۲۵۷، السنن الکبری للبیہقی ۲/۱۸۵، دار الحدیث قاہرہ) ضعف: سفیان ثوری کی تدلیس (جو کہ ضعف خفیف ہے نہ کہ شدید) براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی عدم رفع الیدین کی روایت (سنن ابی داود: ۷۴۹) ضعف: یزید بن ابی زیادہ کا ضعیف ہونا، یہ بھی ضعف خفیف ہے، کیوں کہ یزید تو غیر اصول میں صحیح مسلم کا راوی ہے۔ (میزان الاعتدال ۴/۲۸۸، دار الفکر) آلِ تقلید کی طرف سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پیش کی جانے والی رایت (السنن الکبری للبیہقی: ۵/۱۹۷، ۱۹۸) ضعف: ایک سند میں ابن جریج کا عنعنہ دوسری سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا ضعیف ہونا۔ یہ ضعف بھی خفیف ہے نہ کہ شدید۔ کیوں کہ ابن جریج تو امت کے ایک ثقہ فقیہ ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۴۰۸) ابن ابی لیلیٰ پر بھی خفیف جرح ہے۔ بیہقی کہتے ہیں: ''غیر قوی فی الحدیث'' حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''صدوق سیء الحفظ'' (السنن الکبری للبیہقی ۵/۱۶۸، تقریب التہذیب: ۵۸۱) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے واقفیت رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ یہ جرح خفیف ہے نہ کہ شدید۔ اسی طرح عدم رفع الیدین کی کئی ضعیف روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ معلوم نہیں کہ ضعیف خفیف+ضعیف خفیف=صحیح یا 1\2+1\2=1 کا نعرہ لگانے والے اپنا یہ اصول ادھر کیوں بھول جاتے ہیں؟؟ دھڑلے سے کہتے ہیں کہ عدم رفع الیدین کی تمام روایات مردود ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ایسا نہ کہیں بلکہ اصول کی پاس داری کریں ضعیف+ضعیف=حسن کہہ کر صحیحین وغیرہ کی روایات سے تطبیق دینے کے لیے کوئی دوسرا اصول وضع کر ڈالیں۔ شعبان کی لیلۃ النصف کے فضائل کی روایات شیخ [زبیر علی زئی (ناقل)] نے مثال بھی ارشاد فرمائی کہ یہ روایت بھی کافی طرق سے منقول ہیں، بلکہ علامہ ابن دبیثی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۷) نے تو ایک مکمل کتاب بھی لکھ رکھی ہے۔ جو بنام ''لیلة النصف من شعبان'' مکتبہ مؤسسہ قرطبہ سے مطبوع ہے۔ اس میں بھی کافی روایات علامہ ابن دبیثی نے نقل کی ہیں۔ یہ سارے ضعیف خفیف کے حامل طرق یقوی بعضها بعضاً' کے گن گانے والوں کے

نزدیک حسن لغیرہ بھلا کیوں نہیں بن جاتے ؟... یہاں یہ الگ بات ہے کہ مفاد کی حد تک اس اصول پر چلا جائے جب مفادات پر زد پڑے تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔''

[اشاعۃ الحدیث،اشاعتِ خاص بیادزبیر علی زئی:۲۱۱،۲۱۲]

مولانا ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد،اپنی جماعت کے مصنف البانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تصحیح وتضعیف کا اصول بھی ان کے نزدیک مَن مانا تھا کوئی مسلّمہ اصول نہیں تھا اور یہی وجہ ہے کہ کسی حدیث کو ایک جگہ ضعیف قرار دیا تو دوسری جگہ اس کی تصحیح کر دی،کسی جگہ کسی راوی کو ثقہ قرار دیا تو دوسری جگہ ضعیف اور اس کی بے شمار مثالیں ان کی تحریروں میں مِل سکتی ہیں۔''[مقالاتِ شاغف:۳۶۷]

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''البانی صاحب کسی طبقاتی تقسیم مدلّسین کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ اپنی مرضی کے بعض مدلّسین کی معنعن روایات کو صحیح اور مرضی کے خلاف بعض مدلسین (یا ابریاء من التدلیس) کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔اس سلسلے میں ان کا کوئی اصول یا قاعدہ نہیں تھا۔''[علمی مقالات:۳/۳۱۷]

علی زئی صاحب کی مذکورہ عبارت ان کی کتاب ''توضیح الاحکام المعروف فتاویٰ علمیہ:۲/۳۳۰'' ...اور...'' نور العینین:۳۸۸''طبع جدید پر بھی موجود ہے۔

علی زئی صاحب نے اپنی کتاب ''اضواء المصابیح:۱/۱۸۹'' میں بھی البانی کو دوغلہ پالیسی کا مرتکب کہا ہے۔[حدیث یزید محدثین کی نظر میں:۱۳۰،تالیف کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد]

علی زئی صاحب نے ایک جگہ ''کَـــأَنَّـــہ،گویا'' سے استدلال کو اعجوبہ قرار دیا۔[علمی مقالات: ۶/۳۹۹]اور دوسری جگہ ترک رفع یدین کی حدیث کو رد کرنے کے لئے''کَاَنَّہ،گویا'' سے استدلال کیا۔

[نورالعینین:۱۶۵]

کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد نے علی زئی صاحب کے مذکورہ دونوں حوالے نقل کر کے یوں تبصرہ کیا:

''ملاحظہ فرمایئے!یہاں امام عبداللہ رحمہ اللہ نے ایک روایت سے متعلق اپنے والد امام احمد رحمہ اللہ کا موقف ''کَاَنَّہ'' کے ذریعہ بیان کیا تو زبیر علی زئی صاحب نہ صرف یہ کہ اس سے استدلال فرما رہے ہیں بلکہ مخالفین کے خلاف اسے بطور حجت پیش کر رہے ہیں۔لیکن ٹھیک ''کَــاَنَّــہ'' ہی کے ذریعہ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کا موقف بیان کیا اور ہم نے اسے نقل کر دیا تو زبیر علی زئی کی نظر میں یہ اعجوبہ بن گیا!سبحان اللہ!اگر یہی حرکت کسی اور نے کی ہوتی تو زبیر علی صاحب بلا جھجک اس پر دوغلی پالیسی کا

الزام جڑ دیتے۔'' [حدیث یزید محدثین کی نظر میں:۱۱۳]

کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد نے علی زئی کی دوغلہ پالیسی کو بیان کرتے ہوئے لکھا:

''سب سے پہلے تو آں جناب کی دوغلی پالیسی دیکھئے کہ ابن طاہر رحمہ اللہ نے ''کَأَنَّہ'' کے ذریعہ ایک بات کہی تھی جو صحیح بنیاد پر تھی لیکن زبیر علی زئی صاحب نے ''کَأَنَّـہ'' کی وجہ سے اس بات کو یکسر کر دیا۔ لیکن یہاں یزید کے خلاف قرطبی رحمہ اللہ نے ''کَأَنَّہ'' کے ذریعہ بے دلیل ایک بات کہہ دی تو آں جناب نہ صرف یہ کہ اس بات کو قرطبی رحمہ اللہ کا موقف مان کر قرطبی کی طرف منسوب کر رہے ہیں بلکہ آمنا وصدقنا بھی کہہ رہے ہیں۔ سبحان اللہ!'' [حدیث یزید محدثین کی نظر میں:۱۸۷]

محمد خبیب اثری غیر مقلد نے علی زئی کے متعلق لکھا:

''ملحوظ رہے کہ شیخ کی اُصولی و منہجی غلطیوں کے علاوہ جزوی اغلاط بھی موجود ہیں بلکہ وہ تناقض کا شکار ہو جاتے ہیں۔'' [ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ:۱۵]

علی زئی صاحب ایک طرف یہ دعوی کرتے ہیں کہ سفیان ثوری کی سلمہ بن کہیل سے معنعن روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔[القول المتین فی الجہر با لتامین:۲۴]

دوسری طرف وہ نسائی میں درج سفیان ثوری کی سلمہ بن کہیل سے دو معنعن روایتوں کو تدلیس کی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں۔[انوار الصحیفۃ:۳۴۴،۳۶۹]

خبیب اثری صاحب نے علی زئی کے مذکورہ تناقض کو بیان کرتے ہوئے لکھا:

''اب سنن نسائی اُٹھائیے ! اور دیکھئے، محولہ بالا دونوں مقامات پر ثوری، سلمہ بن کہیل سے بیان کرتے ہیں۔ مولانا کے اپنے اصول کے مطابق پہلی روایت صحیح قرار پاتی ہے، لہذا اس کی بابت ''اسنادہ ضعیف'' کہنا تناقض ہے۔'' [ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ:۱۶]

خبیب اثری صاحب لکھتے ہیں:

''انوار الصحیفۃ کے تین مقامات (ص:۱۹۶،۳۴۴،۳۶۹) قارئین کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، پہلی جگہ مولانا مرحوم ثوری کے عنعنہ کا دفاع کر رہے ہیں اور دوسرے دو مقامات پر تضعیف کر رہے ہیں! مولانا کا کون سا موقف آخر درست ہے؟۔'' [ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ:۱۶]

علی زئی نے کہا کہ سفیان ثوری اپنے شیخ حبیب بن ابی ثابت سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔

[نور العینین:۱۳۸ طبع جدید اکتوبر ۲۰۱۲ء]

اس کے برعکس تین مقامات پر سفیان عن حبیب بن ابی ثابت کو وجہ ضعف بتایا ہے۔

[انوار الصحیفة: ۱۲۶، ۱۴۰، ۱۶۸]

خبیب اثری صاحب غیر مقلد نے علی زئی صاحب کے مذکورہ بالا تناقض کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

''سوال ہے کہ ان کا نور العینین والا موقف درست ہے یا انوار الصحیفة والا؟ اور یہ کہ ایسا اندازِ تحقیق کیا تاثر دے رہا ہے، اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔''

[ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ: ۱۷]

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''غنیۃ الطالبین کتاب کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے لیکن حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) اور ابن رجب الحنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) دونوں اسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب قرار دیتے ہیں... اور یہی راجح ہے۔ تنبیہ: مروجہ غنیۃ الطالبین کے نسخے کی صحیح و متصل سند میرے علم میں نہیں ہے، واللہ اعلم'' [فتاوی علمیہ: ۲/ ۴۲۱]

دوسرا رخ: علی زئی صاحب ''قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے استدلال کی شرائط'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''شرط نمبر۲: کتاب کے مخطوطے کا ناسخ و کاتب ثقہ و صدوق ہو۔ شرط نمبر: ۳ ناسخ مخطوطہ سے صاحبِ کتاب تک سند صحیح ہو... ان شرائط میں سے اگر ایک شرط بھی موجود نہ ہو تو اس کتاب کی روایت سے استدلال کرنا باطل و مردود ہو جاتا ہے۔'' [جعلی جزء کی کہانی: ۱۵، ۱۶]

خبیب صاحب غیر مقلد نے مذکورہ بالا تناقض کو بتاتے ہوئے لکھا:

''عرض ہے کہ غنیۃ الطالبین میں کم از کم یہ دونوں شروط ختم ہو گئیں، لہٰذا اس سے استدلال ''باطل و مردود'' ہو گیا تو پھر کیوں استدلال کیا گیا؟ ... اگر نسخے کی صحیح و متصل سند موجود نہیں تو پھر متداول نسخے کو شیخ جیلانی کی کتاب قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟ ... عرض ہے کہ کیا غنیۃ الطالبین میں شرطِ دوم ختم نہیں ہو جاتی۔ اور اس کے بعد کیا اس کا حوالہ ''بے کار و مردود'' ہے؟ اگر ایسی ہی صورت ہے تو پھر پیش کرنے کا کیا فائدہ؟ کیا یہ اصول شکنی نہیں؟ حالاں کہ وہ خود لکھتے ہیں: ''اپنے ہی اُصول توڑ کر پاش پاش کر دینا مذہبی خودکشی کی بدترین مثال ہے۔'' (فتاوی علمیہ: ۳/ ۲۵۶)'' .... [ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۸ر ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ: ۱۷، ۱۸]

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''فتح الباری (اور التلخیص الحبیر) میں حافظ ابن حجر کا سکوت اس کے حسن یا صحیح ہونے کی

دلیل نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے جن احادیث و روایات پر فتح الباری میں سکوت کیا، ان میں ضعیف اور ضعیف جدا بلکہ موضوع روایت بھی ہیں، تحقیق کے لیے دیکھئے انیس القاری فی تخریج و تحقیق الاحادیث التی ذکرھا الحافظ ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری۔ فی الحال موضوع روایات کی چار مثالیں پیش خدمت ہیں جن پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں سکوت کیا ہے۔‘‘

[توضیح الاحکام المعروف فتاویٰ علمیہ: ۲/۳۰۵]

علی زئی صاحب فتح الباری سے چار موضوع روایات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

’’ان چار مثالوں سے واضح ہوا کہ فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا کسی حدیث یا روایت پر سکوت کرنا اس کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل نہیں۔‘‘ [توضیح الاحکام المعروف فتاویٰ علمیہ: ۲/۳۰۹]

ایک طرف علی زئی صاحب کی رائے یہ ہے کہ حافظ ابن حجر چوں کہ فتح الباری میں موضوع روایات پر بھی سکوت اختیار کر لیتے ہیں اس لیے ان کا سکوت حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل نہیں۔ دوسری طرف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو عیسیٰ بن جاریہ کے موثقین میں شمار کرتے ہوئے لکھا:

’’۸۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی حدیث پر سکوت کیا۔ (۳/۱۰ تحت ح ۱۱۲۹)‘‘...

[تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ: ۲۱]

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

’’سائل کا سوال صرف قیام رمضان سے متعلق تھا جس کو تراویح کہتے ہیں، تہجد کی نماز کے بارے میں سائل نے سوال ہی نہیں کیا تھا۔‘‘ [تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ: ۱۶]

علی زئی صاحب تاثر دے رہے ہیں کہ سوال تراویح کے متعلق تھا، نہ کہ تہجد کے بارے میں۔ گویا تراویح اور تہجد الگ الگ ہیں۔ جب کہ دوسری جگہ ان دونوں کو ایک ہی نماز باور کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’تہجد، تراویح، قیام اللیل، قیام رمضان اور وتر ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔‘‘

[تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ: ۱۶]

علی زئی صاحب کی دوغلہ پالیسیوں کی داستان طویل ہے۔ بندہ نے اپنی اسی کتاب کے حاشیہ: ۱ میں ان کی بہت سی تضاد بیانیاں درج کیں۔ دس سال کا عرصہ گزر گیا اس کا جواب نہ علی زئی نے دیا اور نہ ہی کسی دوسرے غیر مقلد نے۔ کئی سال سے حافظ ظہور احمد الحسینی دام ظلہ کی کتاب ’’تناقضات زبیر علی زئی‘‘ بھی شائع ہو چکی ہے۔ (جاری ہے۔۔۔)

☆☆☆☆

مولانا مفتی محمد طارق محمود [مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور]

# فوم پر سجدے اور نماز کی ادائیگی

آج کل مسجدوں میں قالین کے نیچے فوم بچھانے کا رواج ہورہا ہے۔اسی طرح ایسی صفیں بھی بچھائی جاتی ہیں جن کے نیچے فوم لگا ہوتا ہے۔اس بارے میں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ نرم چیز پر سجدہ ادا ہونے کا فقہاء نے کیا معیار مقرر کیا ہے؟ ذرا درج ذیل فتاوی ملاحظہ فرمائیں:

۱ - فتاوی حقانیہ : ۸۴،۸۳/۳ : قالین اور فوم کے گدوں پر نماز کا حکم

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں ایک صاحب خیر نے نمازیوں کے لیے قالین بچھایا ہے جو بہت نرم ہے، کیا اس قالین پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے یعنی زمین کی صلابت اور سختی کا ادراک ضروری ہے۔لہٰذا اگر قالین پر سجدہ کے دوران نیچے کی زمین کی سختی کا ادراک ہوسکتا ہو تو نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ چونکہ آج کل کے قالینوں میں زمین کی سختی کا ادراک ہوتا ہے اس لیے قالین کارپٹ، دری وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ موٹے اور لچک دار فوم پر نماز جائز نہیں۔

**قال الحصكفي: (لا) يصح لعدم السجود على محله وبشرط طهارة المكان وأن يجد حجم الأرض والناس عنه غافلون. قال ابن عابدين تحت قوله: وأن يجد حجم الأرض: أو حشيش إلا إن وجد حجمه، ومن هنا يعلم الجواز على الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا. بحر، رد المحتار: ۱/۵۰۱**

**قال ابن نجيم: والأصل كما أنه يجوز السجود على الأرض يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلک فيصح السجود على الطنفسة والحصيرة والحنطة والشعير والسرير والعجلة إن كانت على الأرض؛ لأنه يجد حجم الأرض. البحر الرائق: ۱/۳۱۹**

۲-فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۱۳/۲ : گھاس پر نماز درست ہے یا نہیں؟

سوال ۲۴۸: اگر گیاہ وغیرہ بدیں نوع کہ فربہش بقدر شبر یا زائد باشد و بوقت سجدہ صعود و ہبوط می کند۔از برآں جائز است یا نہ؟ (اگر گھاس وغیرہ اس طرح کی ہو کہ ایک بالشت موٹی ہو یا اس سے زیادہ ہو،

اور سجدے کے وقت اوپر نیچے ہو، اس پر (سجدہ) جائز ہے یا نہیں؟)

جواب: درمختار میں شروط جواز سجدہ میں بھی لکھا ہے: **وان یجد حجم الارض** اور اس کی تشریح علامہ شامی نے یہ فرمائی ہے: **إن الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسه ابلغ من ذلک** الخ: ۱ر۳۳۷۔ پس اگر وہ گھاس وغیرہ اس قدر رہو اور ایسی ہو کہ سجدہ میں سر رکھنے سے دب جائے اور ٹھہر جاوے تو سجدہ اور نماز صحیح ہے۔ فقط۔

۳ - کتاب المسائل: ۱/ ۳۰۸ : فوم کی صف پر سجدہ

آج کل بعض مساجد میں فوم کی صفیں بچھائی جاتی ہیں، تو ان میں یہ دیکھا جائے گا کہ پیشانی زمین پر ٹک رہی ہے یا نہیں؟ اگر پیشانی ٹک رہی ہو تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ اور اگر فوم اتنا دبیز ہو کہ کوشش کے باوجود پیشانی نہ ٹک پاتی ہو تو سجدہ ادا نہ ہوگا۔ **إن بعده حتی لایشغل بالتشغیل جاز وإلا فلا. و کذا الحکم إذا سجد علی التبن.** (حلبی کبیر: ص ۲۸۹، عالمگیری: ۱/ ۷۰)

۴ - کتاب النوازل: ۳/ ۵۰۱، ۵۰۲ : مسجد کے گدوں اور فوم پر سجدہ

سوال: اب مساجد میں کارپٹ کے نیچے فوم بچھانے لگے ہیں تو بعض فوم تو ہلکے والے ہوتے ہیں، جب کہ بعض فوم اتنے موٹے ہوتے ہیں کہ ان پر پیشانی ٹک نہیں پاتی، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ [ملخصا]

جواب: مسجد میں بچھائے جانیوالے گدے اور فوم اگر اتنے ہلکے ہوں کہ سجدہ کرتے وقت پیشانی زمین پر ٹک جاتی ہے تو ایسے گدوں پر نماز پڑھنا فی نفسہ جائز اور درست ہے، خواہ پوری صف کے ہوں یا آدھی صف کے، لیکن اگر گدے اور فوم اتنے دبیز ہوں کہ پیشانی ان پر نہ ٹکے تو ان پر سجدہ درست نہ ہوگا۔ **ومن هنا یعلم الجواز علی الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا.**

(شامی، فتح القدیر، الطحاوی) ملخصا

۵ - فتوی دار العلوم دیوبند # ۱۵۲۸۲۳ عنوان : اسفنج والے قالین پر نماز

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں ہمارے شہر اسلام پور مرکز میں چٹائی کے ساتھ اسپنج والے قالین (غالیچہ) بچھائے گئے ہیں جو نرم ہے۔ سجدہ کرتے وقت پیشانی دبتی رہتی ہے۔ زمین کی سختی کا احساس نہیں ہوتا ہے جو سجدہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ کیا اس طرح مسجد میں ایسے قالین بچھا سکتے ہیں؟ کیا ہماری نمازیں صحیح ہو جائے گی؟ اگر نمازیں صحیح نہیں ہوتی ہو تو اس کو نکالنا ضروری ہے؟ یا کچھ گنجائش بھی ہے؟ بحوالہ مدلل جواب سے نوازیں۔

جواب: قالین وغیرہ پر سجدہ کرنے کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر اُس پر سجدہ کرتے وقت پیشانی کسی ایک جگہ پر جم جاتی ہے اور پیشانی میں مکمل ٹھہراؤ اور سکون پیدا ہو جاتا ہے، خواہ تھوڑا دباؤ کے ذریعے ٹھہراؤ حاصل ہو، تو ایسی قالین پر سجدہ کرنا جائز ہے، اس پر سجدہ اداء ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر قالین ایسی ہی ہے، تو اس پر سجدہ کرنا صحیح ہو جائے گا اور نماز درست ہو جائے گی اور اگر سجدہ کرتے وقت تھوڑے دباؤ کے باوجود پیشانی کسی ایک جگہ جمتی نہیں ہے، تو ایسی قالین پر سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

**قال الحصكفي: وشرط سجود فالقرار لجبهة.... قال ابن عابدين: قوله: (فالقرار لجبهة) أي: يفترض أن يسجد على ما يجد حجمه بحيث ان الساجد لو بالغ، لايتسفل رأسه أبلغ مما كان عليه حال الوضع، فلا يصح على نحو الأرز والذرة الا أن يكون في نحو جوالق، ولا على نحو القطن والثلج والفرش الا ان وجد حجم الأرض بكبسه.** (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۴۵۴، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ط: دار الفکر، بیروت)

۶ - فتوی دار العلوم بنوری ٹاؤن # ۱۴۴۱۰۴۲۰۰۵۱۸ ،عنوان: نماز میں فوم پر سجدہ کرنا

سوال: موجودہ زمانے میں سردی کے موسم میں فورم یعنی گدی مسجد میں ڈالتے ہیں، جو ۱۰/ایم ایم، ۲۰/ایم ایم بھی ہوتی ہے، اس پر سجدہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: ایسے باریک فوم پر نماز پڑھنا جائز ہے، جس پر سجدہ کرنے کی صورت میں سر زمین پر ٹک جائے خواہ تھوڑا دباؤ کے ذریعے ٹکے اور زمین کی سختی محسوس ہو، البتہ اگر فوم اتنا دبیز ہو کہ سجدہ کرنے کی صورت میں دھنستا ہی چلا جائے اور ایک جگہ پر ٹکے نہیں تو ایسے فوم پر سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

**البحر الرائق شرح كنز الدقائق مشكول : ۳/۲۷۰**

**"وَالْأَصْلُ كَمَا أَنَّهُ يَجُوزُ السُّجُودُ عَلَى الْأَرْضِ يَجُوزُ عَلَى مَا هُوَ بِمَعْنَى الْأَرْضِ مِمَّا تَجِدُ جَبْهَتُهُ حَجْمَهُ وَتَسْتَقِرُّ عَلَيْهِ وَتَفْسِيرُ وِجْدَانِ الْحَجْمِ أَنَّ السَّاجِدَ لَوْ بَالَغَ لَايَتَسَفَّلُ رَأْسُهُ أَبْلَغَ مِنْ ذَلِكَ فَيَصِحُّ السُّجُودُ عَلَى الطِّنْفِسَةِ وَالْحَصِيرَةِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالسَّرِيرِ وَالْعَجَلَةِ إنْ كَانَتْ عَلَى الْأَرْضِ؛ لِأَنَّهُ يَجِدُ حَجْمَ الْأَرْضِ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَتْ عَلَى ظَهْرِ الْحَيَوَانِ؛ لِأَنَّ قَرَارَهَا حِينَئِذٍ عَلَى الْحَيَوَانِ كَالْبِسَاطِ الْمَشْدُودِ بَيْنَ الْأَشْجَار."** فقط واللہ اعلم

۷ - فتوی دار العلوم کراچی # ۳۵/۲۱۰۶

سوال: مسجدوں میں پلاسٹک کا انڈر لے فوم (جس کو غالیچوں کے نیچے بچھایا جاتا ہے) کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اس فوم کی موٹائی آدھا انچ ہے اور سخت اتنا ہے کہ سجدہ کرتے وقت پیشانی مکمل ٹک جاتی

ہے۔اوراس فوم کےاوپر دریاں بچھائی جاتی ہیں۔(ملخصا)

جواب: سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق مذکورہ فوم اگر واقعۃ اتنا سخت ہے ہے کہ اس پر سجدہ کرتے وقت پیشانی ٹک جاتی ہےاور دبانے سے مزید نہیں دبتا تو مذکورہ فوم پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

**حاشية الطحطاوي على المراقي: ومن شروط صحة السجود.....البحر الرائق: والاصل كما انه يجوز السجود على الارض......(ملخصا)**

۸ - فتوی دارالعلوم دیوبند # ۱۶۸۴۷۲ ،عنوان: سردی کے موسم میں فوم اور تھرماکول کی صفوں پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: سردی کے موسم میں فوم اور تھرماکول کی صفوں پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: پتلا فوم جس پر سجدہ کرنے سے زمین کی سختی محسوس ہوتی ہواور پیشانی زمین پراٹک جاتی ہو نماز پڑھنا جائز ہے۔اور اگر فوم اس قدر موٹا اوملائم ہو کہ پیشانی ٹکنے کے بجائے نیچے کو دبتی چلی جائے تو پھر نماز اس پر نہ پڑھی جائے،سجدہ ادا نہ ہوگا۔

۹ - بہشتی زیور مدلل : ص ۱۳۴

اگر پیال پر یا روئی کی چیز پر سجدہ کرے تو سر کو خوب دبا کر سجدہ کرے۔اتنا دباوے کہ اس سے زیادہ نہ دب سکے۔اوراوپر اوپر ذرا اشارہ سے سر رکھ دیا، دبایا نہیں تو سجدہ نہیں ہوا۔**إذا سجد على التبن أو المحلوج إن لم يستقر جبهته لا يجوز. المنية:۹۶**

ان فتاوی سے واضح ہوا کہ قالین اور فوم وغیرہ پر سجدہ کرتے ہوئے زمین کی سختی محسوس ہونا ضروری ہے، اور پیشانی ٹک جانی چاہیے کہ مزید دبانے سے دب نہ سکے۔ورنہ سجدہ ادا نہ ہوگا،اور جب سجدہ نہ ہوا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔اس معیار کو باریک بینی اور احتیاط کے ساتھ صورت واقعیہ پر منطبق کر کے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ سجدہ درست طریقے سے ادا ہوا ہے یا نہیں؟ حضرات ائمہ کرام کو اس میں زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔کیونکہ امام کی جگہ پر بسا اوقات کئی کئی جائے نماز بچھے ہوئے ہوتے ہیں۔نیز بسا اوقات ائمہ کرام کا مصلی عام نمازیوں کے قالین وغیرہ سے موٹا ہوتا ہے۔اگر امام صاحب کا سجدہ صحیح طرح ادا نہ ہوا تو مقتدیوں کی نماز کیسے ہوگی؟ خلجان اور تردد کی صورت میں دانشمندی یہی ہے کہ نماز کی ادائیگی خطرے میں نہ ڈالی جائے اور صرف قالین اور سادہ صف/دری وغیرہ پر سجدہ ادا کیا جائے اور فوم کے تکلف سے پرہیز کیا جائے۔اللہ تعالی ہم سب کو اپنی نمازیں بچانے کی توفیق دیں۔آمین

☆......☆......☆......☆

مبصر: مولانا عبدالجبار سلفی

# تبصرہ وتعارف

کتاب کا نام: برصغیر میں اسلام کی آمد واشاعت اور اسلامی عقائد ونظریات

تالیف: حضرت مولانا حافظ عبدالحق خان صاحب بشیر

صفحات: **191** ناشر: حق چار یار اکیڈمی گجرات **0312-4612774**

زیر تبصرہ کتاب فاضل مصنف کی دیگر تصانیف کی طرح ایک علمی و معلوماتی کتاب ہے جس میں برصغیر میں اسلام کی آمد، صحیح اسلامی نظریات کے خدوخال اور ان کے دفاع کے لیے اُٹھنے والی کامیاب کوششوں کو یکجا کیا گیا ہے۔ یہ عنوان اپنی اہمیت اور نوعیت کے اعتبار سے چونکہ بہت اہم تھا، اِس لیے اِس پر محنت بھی اسی اعتبار سے ہونا تھی، مگر فاضل مصنف نہایت استقامت طلب خدمت کی سپردگی کو بڑی سرعت سے نبھا گئے اور عام فہم انداز میں ایک منفرد کاوش اہل علم کے سپرد فرمادی۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء**.

یہ کتاب مختلف حالات میں لکھے گئے چند مقالات کا ایک مجموعہ ہے، جو اَب کتاب خانوں اور روشن دماغوں کے لیے وجہ زینت بن رہی ہے۔ فاضل مصنف نے ابتدا میں اپنے مقدمہ کتاب کے اندر لکھا ہے کہ دنیا میں اختلافات کا پیدا ہو جانا ایک امرِ فطری ہے اور اجتماعی ومشترکہ نظام زندگی میں اِن سے بچنا ناممکنات میں سے ہے، اس لیے کہ علم وفہم اور دیانت وامانت کے پیمانوں کا مختلف ہونا خود بخود اختلاف کو جنم دے دیتا ہے، یہ اختلافات وقتی نوعیت کے بھی ہو سکتے ہیں اور مستقل بنیادوں پر بھی۔ یہ سرد بھی ہو سکتے ہیں اور گرم بھی۔ یہ اجتہادی بھی ہو سکتے ہیں اور تقلیدی بھی۔ یہ غلط فہمی و بے خبری یا ناواقفیت وجہالت کی بنیاد پر بھی ہو سکتے ہیں اور ہٹ دھرمی وضد نیز انا پسندی ومفاد پرستی پر مبنی بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ فروعی بھی ہو سکتے ہیں اور اُصولی بھی۔ ان میں سے افضل وغیر افضل یا اولیٰ وغیر اولیٰ وغیرہ وغیرہ کی تقسیم بھی کارفرما ہو سکتی ہے۔ مگر مذہبی زندگی میں اور بالخصوص اسلامی تعلیمات کس قسم کے اختلافات کو کونسا پتہ دیتی ہیں اور ان کا متوازن حل کیا بتاتی ہیں؟ نیز اسلاف امت نے اِن اختلافات کو کس طرح بردباری اور تحمل کے ساتھ برداشت کر کے امت مسلمہ کی کشتی اِس بھنور سے نکالنے کی تدابیر پیش نظر رکھی ہیں؟

فاضل مصنف نے ساتھ ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کے نظریہ اعتدال، نظریات اہل سنت کی پہچان، اُصولِ اہل سنت، فیضانِ اہل سنت اور پھر درجہ بدرجہ اس ضمن میں خداداد صلاحیتوں کو کھپانے والے محدثین کرام، فقہاء عظام اور صوفیہ ومشائخ کے طرز وتفہیم کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بلاشبہ لائق داد ہے کیونکہ یہ چیزیں لاتعداد کتابوں میں بکھری ہوتی ہیں اور تجزیہ وتبصرہ یا استدلال واستنباط کی اہلیت بے شمار دماغوں میں منقسم

ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایک متوسط مسلمان یا صاحب علم کے لئے نتائج اخذ کرنا یا مستفید ہونا بہت مشکل ہوتا ہے، مگر فاضل مصنف نے اپنے زورِ مطالعہ اور طرزِ تحقیق سے اِن تمام بکھرے موتیوں کو جمع کر کے نور کی ایک آبشار جاری کر دی ہے، جو اس کا مطالعہ کرنے سے ہی نظارہ دے سکتی ہے۔

(۱)- کتاب ہٰذا کے پہلے مقالہ میں فقہاء اربعہ کی تقلید اور امت کا اِن پر اعتماد تاریخ کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے اور عہد خیر القرون سے عصر حاضر تک بڑے بڑے فقہاء، محدثین کے ناموں کی عہد بہ عہد طویل فہرست پیش کر دی ہے اور اس باب کے آخر میں تارکین تقلید سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا یہ کل کے کل تقلید شخصی کی وجہ سے موردِ الزام اور گمراہ و بے راہ قرار پائیں گے؟ کم وبیش ۱۶رصفحات کا یہ باب رنگینی علم کا شاہکار ہے۔

(۲)- دوسرا مقالہ برصغیر میں اسلام کی آمد و اشاعت کے عنوان پر ہے، اِس میں عہد خلفائے راشدین سے لیکر ہر زمانہ کے علماء وسلاطین کے احوال اس قدر خوبصورتی اور اختصار کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں کہ پڑھنے والا اِسے مکمل کیے بغیر کتاب کو نہیں چھوڑ سکتا، اِس باب کا اختتام بھی تارکین تقلید اور اسلاف بیزار طبقہ کو تنبیہ وسرزنش کرتے ہوئے مکمل کیا گیا ہے۔ متذکرہ مقالہ کم وبیش ۲۵رصفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

(۳)- تیسرا مقالہ علماء اہل سنت دیوبند کے تاریخ ساز کردار اور افکار و خدمات کے حوالہ سے قلم بند کیا گیا ہے۔ اِس میں تحریک دیوبند کے تدریجی مراحل، اور اس تحریک کے فکری نقوش کا حضرت مجدد الف ثانیؒ اور خاندان حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نقوش علم وفکر سے ملاپ کر کے منصفانہ نتائج و تجزیہ کا ایسا مواد سپردِ قلم وقرطاس کر دیا گیا ہے کہ جو مصدر ومنبع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد تحریک دار العلوم دیوبند کو چار حصوں میں تقسیم کر کے اِس پر بالتفصیل معلومات کے کا وافر ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے، یعنی جماعت دیوبند کے سیاسی، روحانی، علمی، فکری ونظریاتی اور جہادی وخانقاہی شعبوں کا بہت ہی ایمان افروز تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے فتنوں اور فرقوں نیز فرقوں کی چھوٹی چھوٹی شاخوں کا تعارف اور ان کی تردید میں علماء اہل سنت دیوبند کی علمی وتحقیقی خدمات کا سنہرے حروف میں تذکرہ قلم بند کر دیا گیا ہے۔ اس مقالہ کے اختتام پر تیرھویں تا پندرھوں صدی ہجری، تین صدیوں کے مشاہیر امت کے ناموں کی فہرست مع سِنین وفات ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

(۴)- کتاب ہٰذا کا چوتھا مقالہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ونظریات کے لیے مختص کیا گیا ہے اور اس باب میں وجودِ باری تعالیٰ، توحیدِ باری تعالیٰ، کتبِ سماویہ، ملائکہ، جنات، انبیاء ومرسلین، مقام حضرت محمد ﷺ، ولادت ورفع آسمانی بسلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، عقیدہ ختم نبوت، حیاتِ انبیاء کرام، کلمہ اسلام،

معجزات و کرامات، مسئلہ توسل، صلوۃ وسلام، عظمت گنبد خضریٰ، حجیت حدیث، سنت کی شرعی حیثیت، صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمت، مقام اہل بیت عظامؓ، اہمیت نظام خلافت راشدہ، مشاجرات صحابہؓ، تقلید و اتباع، تصوف وطریقت، مقام اولیاء وعلماء کرام، نظریہ امام مہدی، اور علامات قیامت جیسے عنوانات کے تحت بہت ہی آسان اور دل نشین انداز میں علمی تشریحات کی گئی ہیں جن میں ہر عام وخاص اپنی چشم بصیرت سے پڑھ کر مضامین کی رعنائیوں سے فائدہ اُٹھاسکتا ہے۔ بلاشبہ عصر حاضر کی چند اہم کتابوں میں سے یہ بہت ہی قابل قدر کتاب ہے۔ ایسی کتابیں بار بار منظر عام پر نہیں آتیں، اہل علم جلد از جلد اسے اپنے کتب خانوں کی زینت بنائیں اور فائدہ اٹھا کر مصنف کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔

---

کتاب کا نام: عقبیٰ کے مسافر (تعزیتی وسوانحی شذرات)  مصنف: مولانا سید محمد زین العابدین صاحب

ناشر: **المنهل**، کراچی **0321-2000870**

زیر تبصرہ کتاب جناب مولانا سید محمد زین العابدین کے رشحات قلم ہیں جو انہوں نے متعدد بزرگانِ دین کی رحلتوں پر جمع کیے ہیں۔ کتاب ہذا کی ابتداء میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، ڈاکٹر سفیر اختر، حافظ پروفیسر بشیر حسن حامد مرحوم اور مولانا محمد شفیع چترالی کی تقریظیں شامل ہیں، نیز ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کے جاندار وشاندار مقدمہ نے کتاب کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

اس میں کم وبیش ۸۰ ر شخصیات کے تذکرے ہیں جن میں سلاطین علم وفضل بھی ہیں، اربابِ فہم و دانش بھی، مشائخ وصوفیہ بھی، محدثین ومدرسین بھی اور مجاہدین ومتوسلین بھی! یوں نامور، گمنام اور کئی ایک چھوٹے بڑوں کے یکجا تذکرہ نے کتاب کو خوبصورت بنا دیا ہے۔ سب سے پہلے جس شخصیت کا ذکر ہے ان کا نام نامی اسم گرامی سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ ہے، اس کے بعد مختلف اَدوار میں رحلت پا جانے والے اہل علم وقلم کے احوال ہیں۔ مکر وفریب کے فی زمانہ سنگدل مجسموں اور تصنع وبناوٹ کے سیاہ ماحول میں یہ کتاب روشنی کا استعارہ ہے اور عقیدتوں، محبتوں اور اُلفتوں کا نہ ڈوبنے والا ستارہ بھی!

حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسویؒ کے تذکرہ میں علامہ تونسویؒ اور مولانا دوست محمد صاحبؒ قریشی کو تنظیم اہل سنت پاکستان کے بانیوں شمار کیا گیا ہے، حالانکہ تحریک تنظیم کے بانی سردار احمد خان پتافی اور مولانا سید نورالحسن شاہ بخاریؒ تھے اور ۱۹۴۲ء کے زمانہ میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ علامہ تونسویؒ اور مولانا دوست محمد قریشی دونوں حضرات کو ۱۹۵۲ء کے دور میں تحریک میں لانے والے سید نورالحسن شاہ بخاریؒ ہیں۔

صفحہ نمبر ۱۱۳ پر مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید کی اشتعالی طبیعت کا ایک واقعہ درج ہے، ممکن ہے کوئی عقیدت مند اسے ناقابل اشاعت قرار دے، تاہم مبصر کے نزدیک ایسا واقعہ درج کرنے میں کوئی عیب والی بات نہیں ہے، بلکہ اس سے یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ متذکرین اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود بہرحال گوشت

پوست کے انسان تھے اور بشری کمزوریوں سے مبرّیٰ نہیں تھے، نیز آنے والی نسلوں کے لیے کامیاب زندگی گزارنے کا بہترین نسخہ بھی ہے، کیونکہ بسا اوقات مشیت ایزدی اپنی مخلوق کے بڑوں سے ایسے کام کرواتی ہے جو فی نفسہ درست نہیں ہوتے مگر آنے والوں کے لیے باعث عبرت و سبق ہوتے ہیں۔ سو اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اہل علم کو بُردبار اور صابر ہونا چاہیے۔ مشتعل مزاجی سے نقصان ہی کا دھڑکا رہتا ہے۔

کتاب ہذا قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے تذکرہ سے محروم ہے، شاید فاضل مصنف کی توجہ اس جانب نہ جا سکی، وگرنہ حضرت قاضی صاحبؒ ان جہابذۂ روزگار لوگوں میں سے ہیں جن کا تذکرہ زیرِ تبصرہ کتاب جیسی بہترین کتابوں میں ضرور ہوتے رہنا چاہئے۔ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم کا ذکر بہت ہی شاندار کیا گیا ہے، مگر اس کو دو صفحات میں جگہ نہیں دینی چاہئے تھی وہ اس سے زیادہ کے حق دار تھے۔ حضرت مولانا محمد نافع کے تذکرہ میں ان پر خاص نمبر شائع ہونے کی خواہش ظاہر کی گئی ہے، مگر اُنہیں دِنوں یعنی ۲۰۱۵ء میں ''تذکرہ مولانا محمد نافع'' کے نام سے ضخیم کتاب کاتب السطور کے قلم سے منصۂ مشہود پر آ چکی ہے، اگر حاشیہ میں اس کا ذکر ہو جاتا تو پڑھنے والوں کو ایک نئے چمنستان کا پتہ مل جاتا جیسا کہ مولانا مفتی زین العابدینؒ کے تذکرہ میں انکے مطبوعہ سوانح کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔

نوجوان شہید بلال خان کا تذکرہ بھی کتاب ہٰذا کے آخری اوراق میں بہت اچھے انداز میں شامل ہے، مگر اسی ضمن میں آج کے نوجوانوں کو یہ نصائح بھی کر دیئے جاتے تو بہت بہتر ہو جاتا کہ کٹی پتنگوں کی طرح نہ بنیں جس کے ہاتھ ڈور آ جائے کٹی پتنگ اُسی کی ہو جاتی ہے اور بالآخر نیچے آتے ہوئے کٹ پھٹ جاتی ہے۔ مضبوط فکری بنیادوں، وسعتِ مطالعہ اور صحبتوں کے بعد جو نکھار آتا ہے وہ محض جوش و جنون کے ساتھ نہیں آتا۔ زیرِ تبصرہ کتاب کا اختتامی تذکرہ شہید جنید جمشیدؒ کے احوال پر مشتمل ہے اور بہت ہی ایمان افروز ہے۔ یوں سیدنا عثمان ذوالنورینؓ سے شروع ہونے والی کتاب جب شہید جنید جمشیدؒ پر ختم ہوتی ہے تو یقین میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے کہ خون کی لالی آج بھی اول و آخر اپنے جلوے دکھا رہی ہے اور اسی داستان جرأت و ہمت کا نام ''دین اسلام'' ہے اور اسی دین اسلام کی ان کلیوں کا تذکرہ زیرِ نظر کتاب میں موجود ہے، جس کی مہک اور روح افزائی صرف سطروں اور صفحوں تک ہی محدود نہیں بلکہ پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو بھی معطر کر دیتی ہے۔ فاضل مصنف لائق صد مبارکباد ہیں کہ ان کا یہ کام ان شاء اللہ عنداللہ بھی مقبول ہے اور عند الخلائق بھی محبوب رہے گا۔

**ملاحظہ**: اکابر اہل سنت کے تذکرہ پر مشتمل اِس خوبصورت گلدستہ میں قاضی حسین احمد صاحب مرحوم جیسے مودودی عقائد کے حامل شخص کا تذکرہ انتہائی قبیح، باعثِ عار اور لائق ملامت ہے۔ نیز اُنھیں ''بات کے کھرے اور سچے'' اور ''ظاہر و باطن یکساں رکھنے والے'' لکھا گیا ہے، جو خلافِ واقعہ ہے۔ [ادارہ]

انجم نیازی

# سیّدنا امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

مرے الفاظ گونگے ہیں مرے جذبات کے آگے
زباں کھلتی نہیں قرآن کی آیات کے آگے

اُسی کی روشنی سے آج تک ہیں دوجہاں روشن
ہوا سینہ سپر جو چاند کالی رات کے آگے

خزاں ہر پھول کا رنگ اور خوشبو تک اُڑا لیتی
اگر وہ خود نہ آتا آہنی لمحات کے آگے

اُسی کو سونپی جائے گی قیادت سب جوانوں کی
وہی روزِ قیامت ہوگا اِس بارات کے آگے

زمین اور آسماں کے رہنے والے ہیں غلام اُس کے
کھڑے ہیں با اَدب چودہ طبق سادات کے آگے

حسینؓ ابن علیؓ کے نام لُوں میں کس طرح انجم
مری یہ ذات بے معنی ہے اُس کی ذات کے آگے

مجلہ **صفدر**

# علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر

دو جلد | صفحات: 1664 | قیمت مکمل سیٹ: 1400 روپے [نٹ] علاوہ ڈاک خرچ

## اس اشاعتِ خاص میں شامل ہیں....

مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک وغیرہ کے تاثرات

---

تنظیم اہل سنت، مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، مولانا خواجہ خان محمدؒ، مولانا قاضی مظہر حسینؒ، مولانا محمد نافعؒ، مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ، سید نفیس الحسینیؒ، مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ، مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ وغیرہ سے تعلقات

---

ولادت و تعلیم، امرتسر سے سیالکوٹ لاہور خانیوال اور پھر برطانیہ ۱۹۵۳ء تحریک ختم نبوت میں کردار، ۱۹۷۰ء انتخابات میں حصہ، تعاقب قادیانیت میں نیروبی، نائجیریا، افریقہ کے دورے، ملک و بیرون ملک مناظروں کے حالات

---

انکساری، علمی رسوخ، قوت حفظ، احترام اکابر، اکابر پر اعتماد، اکابر کا اعتماد، حاضر جوابی، بشارات، اصاغر نوازی، معاصرین کی قدر، علمی نکات، حیران کن استدلالات، سادگی، رجال سازی، استقامت، مناظرہ میں مہارت، نام کے بجائے کام پر زور، وقت کی قدر و قیمت، نیند میں تقاریر، نماز باجماعت و تہجد کی پابندی، کتب سے لگاؤ، اصلاح امت کی فکر، خوش طبعی، فتنوں پر نظر وغیرہ کے دلچسپ و سبق آموز واقعات

---

آثار اربعہ، مقام حیات، تجلیات آفتاب، معیار صحابیت، مقدمہ کتاب الاستغفار اور دیگر کتب کا تعارف

---

مکاتیب، دروس، تقابل ادیان کے اسباق، خطبات، مضامین، مقدمات، تقاریظ، مناظرے

تاثرات و تعزیتی پیغامات | سوانح: ولادت تا وفات تفصیلی حالات زندگی | رسائل و جرائد کا خراج تحسین

اشاعت خاص میں شامل اہم عنوانات و واقعات کی فہرست | سوانح کی مکمل فہرست | منتخب افادات کا اشاریہ

اہل علم و قلم کے مقالات و مضامین | تصنیفات | منظوم خراج عقیدت | آئینہ تحریرات | آئینہ تصاویر

اور بہت کچھ....

ملنے کے پتے: مکتبۃ الفرقان، اردو بازار، لاہور 0300-6863281

مجلہ صفدر، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور 0312-4612774